کبیرہ گناہ

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَىُّ الذَّنْبِ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اَنْ تَدْعُوْ لِلّٰهِ نِدًّا وَّهُوَ خَلَقَكَ)) قَالَ ثُمَّ اَىٌّ؟ قَالَ: ((اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ)) قَالَ ثُمَّ اَىٌّ؟ قَالَ: ((اَنْ تُزَانِىَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ)) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى تَصْدِيْقَهَا ﴿ وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ﴾ الاية ۔ [متفق عليه]

''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، ایک شخص نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اللہ تعالیٰ کے لیے (کسی کو) شریک ٹھہرائے حالاں کہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے۔'' اس نے کہا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کرے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔'' اس نے کہا پھر کون سا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''زنا کرے تو اپنے ہمسایہ کی بیوی سے۔'' اللہ تعالیٰ نے اس مسئلہ کے مطابق یہ آیت نازل فرمائی: ''اور جو لوگ نہیں پکارتے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو اور نہیں مار ڈالتے اس جان کو کہ حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ نے مگر حق کے ساتھ اور نہیں زنا کرتے......''

دین کے بنیادی اصول ③

آپ ﷺ نے خبردی اور وہ سچ ثابت ہوئی ! واقعتاً عقائد میں بدعات رونما ہوئیں ، سلف صالحین نے معروف ناموں سے ان کی پہچان بھی کروائی ہے، مثلاً : خارجی ،قدریہ، جہمیہ ،معتزلہ ،رافضہ ،مشبہ ،معطلہ ،متصوفہ، جبریہ، مرجئہ ،قبر پرست اوران جیسے دوسرے فرقے ، پھران کی بنیاد پر مختلف گروہ نکلے مثلاً : نقشبندی ،شیعہ وغیرہ۔ یہ گروہ اپنے حکم کے اعتبار سے مختلف ہیں، بعض کوان کی بدعات کی وجہ سے کافراور بعض کو فاسق کہا جاتا ہے۔

علمائے اہل السنۃ نے خودان سے مناظرے کیے لیکن لوگوں کوان سے ڈرایا اوران کی طرف مائل ہونے ، ان کی باتیں سننے، ان کے پاس بیٹھنے، تعلق رکھنے نیز عام افرادامت کوان کے ساتھ بحث کرنے سے روکا اوران سے دور رہنے کی نصیحت کی ۔حافظ ابن بطہ رحمہ اللہ نے الابانۃ الکبریٰ میں سلف صالحین کی ایک جماعت اور ائمہ کرام سے یہی بات نقل کی ہے۔

عملی بدعات: یہی بات عملی بدعات کے متعلق ہے، اہلِ خرافات اور مقلدین جن بدعات کی دعوت دیتے ہیں، مثلاً عید میلا د کی بدعت ، نیکیوں کے نام پر دوسری بدعات اور وہ عبادات جن کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں یعنی نماز میں ، جنازہ یا قبرستان وغیرہ کے متعلق جو بدعات کی جاتی ہیں، ان سے بھی رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا اورڈرایا ہے۔

قولی بدعات: یہی حکم بلا دلیل بدعتی اقوال کا ہے، قابل اتباع ائمہ نے ایسی تمام بدعات کا رد کیا اوران کے بطلان کو پوری طرح واضح کیا ہے، نیز اس رائے کی تائید میں صحیح احادیث پیش کیں ، مثلا :

①......رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’سب سے برے کام وہ ہیں جو نئے ایجاد کر لیے جائیں، ہر نیا کام **بدعت اور ہر بدعت گمراہی ہے۔‘‘** [سنن ابو داؤد ،ح: ٤٦٠٧ ،سنن ترمذی،ح: ٢٦٧٨]

②......آپ ﷺ نے فرمایا: ’’جس نے اسلام میں کوئی نیا کام ایجاد کرلیا جو پہلے نہ تھا تو اسے رد کر دیا جائے گا۔‘‘ [صحیح بخاری ح: ٢٦٩٧ ،صحیح مسلم ح:١٧١٨]

ان جیسے بے شمار دلائل موجود ہیں۔

[ترجمہ: ابوبکر ظفر]

فہرست

حق حکم رانی

اداریہ حافظ احمد شاکر

اگلے دن اخبارات میں کسی عالمی ادارے کی طرف سے چھوٹی سی خبر یا تجزیہ تھا کہ دنیا میں اصل مسئلہ دہشت گردی یا بدامنی نہیں اصل مسئلہ غربت کا ہے۔ ہمارے جیسے ترقی پذیر جمہوریت زدہ ممالک کے عوام میں خاص طور پر یہی مسئلہ اہم ہے۔ ہمارے جیسے ممالک کے ''اشرافیہ'' یعنی مقتدر، اقتدار کے منتظر اور اقتدار سے بالواسطہ یا بلاواسطہ فیض پانے والوں کے نزدیک اصل مسئلہ مفادات اور زردار بننے کا ہوتا ہے۔

مقتدر یعنی اقتدار جن کے ہاتھوں میں ہوتا ہے انہیں ہر طرف ''میں ہی میں'' نظر آتا ہے۔ وہ کسی مفاد ومنفعت کو اپنے ہالے یعنی اپنوں سے باہر نہیں جانے دیتے۔ وطن عزیز کے حکم رانوں کی تاریخ اٹھا کے دیکھ لیں ''ماشاءاللہ'' اس میں ایسی ایسی روشن مثالیں ملیں گی کہ آپ عش عش کر اٹھیں گے۔

اقتدار کا منتظر طبقہ عموماً چھینا جھپٹی سے نہ صرف گریز نہیں کرتا بلکہ اقتدار سے محرومی کا عرصہ حکم رانوں کی عیب جوئی...... واضح رہے کہ غلطیوں کی نشان دہی اور بات ہوتی ہے اور عیب جوئی اور بات ...... میں لگا رہتا ہے۔ بلکہ منتظر طبقہ اپنے مفادات کی خاطر سازشوں کے ذریعہ حکومت سبوتاژ کرنے کا کوئی موقعہ بھی ہاتھ سے جانے نہیں دیتا اور عموماً یہی بات عدم استحکام کا باعث بنتی ہے۔ ہاں کوئی ''شریف'' منتظر ہوں تو وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے کھل کھیلنے کا موقع اس لیے دیتے ہیں کہ گردش ایام کا تقاضا یہی ہوتا ہے اسی لیے وہ اپنی باری کا صبر سے انتظار کرتے ہوئے بڑی خاموشی کے ساتھ اپنی دولت کے صفر بڑھاتے رہتے ہیں۔ باقی رہے فیض پانے والے تو وہ سدابہار ہی ہوتے ہیں۔ ضرورت پڑنے پر وہ منڈیریں بھی بدل لیتے ہیں اور وقت آنے پر لینز بدلوانے میں بھی انہیں کوئی جھجھک نہیں ہوتی۔ اس طبقہ میں ...... بے پیندے...... سیاست دان بھی ہوتے ہیں بلکہ اکثر یہی ہوتے ہیں۔ صنعت کار اور تاجر بھی ہوتے ہیں اور کچھ نہ کچھ...... دست کار...... سرکاری ملازم بھی ہوتے ہیں۔ باقی رہے رشتہ دار! تو وہ ایسے مفادات کو ورثہ سمجھتے ہوئے اس سے مستفید ہی نہیں ہوتے بلکہ ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن غربت! جسے اب عالمی سطح پر تسلیم کیا جا رہا ہے اس کی طرف نہ کسی نے دھیان دیا نہ کسی نے سوچا اور نہ ہی کبھی کسی نے اس کو ختم کرنے کی مخلصانہ اور نتیجہ خیز کوشش کی اور نہ ہی ہمارے علم کی حد تک۔ کسی سیاسی یا مذہبی جماعت نے غربت ختم کرنے والے فاروقی طرزِ حکومت کو اپنے منشور کا حصہ بنایا ہے۔

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور حکومت تاریخ کا روشن ترین دور حکومت ہے۔ خلافت عمر رضی اللہ عنہ کے دور حکومت کا تجزیہ کیا جائے تو اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ کے بعد ان کی رعایا پروری ہی وہ خوبی ہے جس نے ان کو تاریخ میں ممتاز مقام عطا کر رکھا ہے۔ یعنی وہ اپنے زیر نگیں علاقوں کے رہنے والوں کی انسانی و بنیادی ضروریات کا نہ صرف خیال رکھتے بلکہ ان کو پورا کرنے کو اپنی منصبی اور شرعی ذمہ داری جانتے تھے۔

دجلہ کنارے بھوکے کتے کی ذمہ داری کا واقعہ حکومت اسلامیہ کا دمکتا واقعہ ہے۔ ان کی ذاتی خوراک، بود و باش ان کا درخت تلے اینٹ کے تکیے پر سو جانا، سفر میں آقا و غلام کی مساوات کے باوجود ان کی ہیبت، عدالتوں میں انصاف، بچوں، بوڑھوں اور ضرورت مندوں کے وظائف غرضیکہ رعایا کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا یہ تھی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت، یہ تھا اسلامی نظام حکومت کا طریق اور یہ ہوتا تھا خلیفۃ المسلمین کا طرز

حیات ۔صرف آخری نکتے یعنی طرز حیات پر ہی اگر ہم غور کرلیں تو ہمارے سیاست دانوں اور جمہوری نمائندوں کا جذبہ خدمت خلق اوران کا اخلاص آشکار ہو جائے گا اوراسی بنیاد پر ہم ان پر اچھا یا برا گمان کر سکتے ہیں۔

رائے اپنی اپنی اور خیال اپنا اپنا۔لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ اس وقت وطن عزیز اوراس کے عوام جن احوال سے دوچار ہیں حکومت وقت کو چاہیے...... اوراگر دائرہ اختیار میں ہو تو عدالت عظمیٰ حکم کرے...... کہ وہ تمام ترقیاتی سکیمیں سٹاپ اور تمام سود آور تجارتی قرضوں کی بجائے اپنی رعایا یعنی عوام کو سامان خوراک ،ادویات ،لباس اور ایندھن میں سب سڈی دے کر حق حکم رانی ادا کریں اور خلق خدا کی دعائیں حاصل کریں۔اگر کسی حاکم کو فرصت ہو تو وہ اپنی تاریخ پڑھ کر دیکھیں کہ مسلمان کا یہی دین ہے، یہی سیاست اور یہی وہ طرز حکومت ہے جس سے انسانیت کی فلاح ہوتی ہے۔

کہہ چکا اس قدر، پھر وہی تشنگی دل کی　　　کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

............سب پہ بھاری:

جنابِ صدر تختِ لاہور میں آج کل اپنے بیانات سے ہل چل مچا رہے ہیں، پنج آب......پنجاب......کو اپنے نعروں سے گرما رہے، دعووں سے لرزا رہے، وعدوں سے بہلا رہے اور کارکنوں کے جیالا پن کو جوش دلا رہے ہیں۔ جناب صدر ایوانِ صدر سے طویل مراقبے سے برآمدگی کے بعد جونہی نوڈیرو میں اپنی مرحومہ بیوی کی قبر پر فاتحہ پڑھنے گئے تو غالباً روحانی طور پر پورے چارج ہو کر برسی ہی کے دن سے للکارنے اور مخالفین کے دل کی دیواروں کو کھڑکانے لگ گئے ہیں یہ بھی ممکن ہے کہ دسمبر ۲۰۰۹ء کے عدالت عظمٰی کے فیصلے نے انہیں تمتما کر بھڑکا دیا ہو۔صدر موصوف وہاں سے کراچی گئے وہاں بھی یہ مخالفین پر خوب گرجے برسے اس کے بعد ان کی لاہور تشریف آوری کیا ہوئی کہ لاہور کی......سیاسی طور پر......سنجی گلیوں میں اپنی پارٹی کے ورکروں کو درشن کرا کر اور شہر میں پارٹی پرچموں کو لہرا کر کھنکارنے لگ گئے۔ پنجاب کے گورنر تو ان کے ظل و بروز پہلے ہی تھے جناب صدر کی آمد سے وہ بھی چہچہانے اور مسکرانے لگ گئے۔ جناب صدر کو تو ہم جناب مجید نظامی کے دیئے ہوئے خطاب ''مردحر'' کے نام سے جانتے تھے کہ لاہور میں بزبان خود انہوں نے خود کو باز کی نگاہ کا حامل بھی قرار دے دیا۔باز جب تک حر یعنی آزاد رہتا ہے وہ اپنے شکار پر بہت دور سے نگاہ رکھتا اور بڑی تیزی سے اس پر جھپٹتا ہے۔موصوف کی یہ خوبی تو شروع ہی سے زبان زدعام ہے لیکن چور اور سازش کو باز کی نگاہ سے دیکھ لینا! اس خوبی کا ذکر ان ہی کی زبان سے پہلی دفعہ سننے میں آیا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ وہ چور اور سازشی کو پاتال سے ہی دیکھ لیتے یا آمنے سامنے پا کر پہچانتے ہیں آزاد باز کی خوبیوں میں اس کی بلند پروازی، خودداری اور پس خوردہ نہ کھانا بھی بیان کی جاتی ہے۔لیکن جب وہ خود شکار ہو جائے تو اس کی آنکھوں پر شکاری جو پٹی چڑھا دیتا ہے پھر وہ مالک کا دیا کھانے پر مجبور ہوتا اور اس کا مطلوبہ شکار کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ایک خیال یہ بھی آتا ہے کہ جناب صدر اپنی مرحومہ بیگم کے قاتل ابھی تک ان کی باز نگاہی سے کیوں بچے ہوئے ہیں اور وہ جمہوری حکومت کے خلاف سازش کرنے والوں تک ان کی عقابی نگاہ اب تک کیوں نہیں پہنچ پا رہی۔ ع رموز مملکت خسرواں دانند۔ایسی ہی ان کی عقابی نگاہ اب تک ان کے محبوب عوام کے دشمن چینی چور، آٹا مافیا اور شہروں میں امن وامان تباہ کرنے والوں خصوصاً کراچی میں یوم عاشوراء پر خون کی ہولی کھیلنے والے تک کیوں نہیں پہنچی؟

جناب صدر نے ہر ماہ لاہور میں دربار لگانے کا اعلان بھی کیا ہے۔ بڑی خوشی ہوئی دربار ضرور لگنا چاہیے ان کے جیالے تو بے شمار ہیں ہی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عقابی نگاہ نے لاہور میں شاید اس صنف کو وافر پایا ہے اس لیے انہیں لاہور میں دربار لگانے کا اعلان کیا ہے۔ پی پی پی کے جیالے آج کل ''ایک زرداری سب پہ بھاری'' کے نعرہ پر بھی دھمال خوب ڈالتے ہیں۔اللہ کرے کہ یہ بھار متوازن ہی رہے کیوں کہ توازن باقی نہ رہے تو ڈگمگانے سمیت بہت سے خطرات لاحق ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔

درسِ قرآن

سورة الفاتحه ❷

...... اردو ترجمہ ......

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی رحمہ اللہ (م:۱۲۳۰ھ)

...... حواشی ......

①......احادیث التفاسیر (حضرت مولانا حافظ حمید اللہ میرٹھی رحمہ اللہ۔م:۱۳۳۰ھ)

②......احسن الفوائد (مولانا ڈپٹی سید احمد حسن صاحب دہلوی رحمہ اللہ۔م:۱۳۳۸ھ)

احادیث التفاسیر

اشکال ③: بعض کہتے ہیں کہ قرآنِ شریف میں ہے: ﴿ إِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا ﴾ یعنی ''جب قرآن شریف پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو'' بعض روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم نماز کے بارے میں آیا ہے۔ پس یہ معنی ہوئے کہ جب نماز میں قرآن شریف پڑھا جائے تو اُس کو سنو اور خاموش رہو۔ چناں چہ اس آیت کی رو سے مقتدی کو پڑھنا منع ہوا۔

جواب: مگر یہ عذر اور اعتراض بھی قابل قبول نہیں۔ کیوں کہ اوّل تو اِس آیت کے شان نزول میں چند مختلف اقوال ہیں، اور چند اقوال میں سے ایک قول کا متعین ہونا کسی مضبوط دلیل کے بغیر ممکن نہیں، اور جب یہ ناممکن ہے تو ہر ایک بات کا احتمال باقی رہا اور جب احتمال رہا تو استدلال یعنی کسی خاص قول کے لیے حجت (دلیل) پکڑنا باطل ہوا (إذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) اور اس بات کی ضرورت بھی اُس وقت پڑے گی جب اُن چند اقوال میں سے کوئی قول یہ بھی ہو کہ یہ آیت مقتدی کو الحمد پڑھنے کی ممانعت میں آئی ہے۔ مگر ایسے صریح لفظ کے ساتھ ایک قول بھی نہیں۔ چناں چہ جب حالت یہ ہے کہ اس بیان والا کوئی قول کسی معتبر تفسیر میں نہیں تو پھر اس آیت سے الحمد کے منع پر استدلال کرنا محض اپنی رائے قرار پائے گا اور قرآن کی تفسیر محض رائے وقیاس سے کرنا سخت گناہ ہے۔ جیسا کہ ترمذی کتاب التفسیر میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما موجود ہے۔ [ترمذی، ج:۲، ص:۱۳۳]

علاوہ ازیں یہ آیت مقتدی کو الحمد پڑھنے کی ممانعت میں ہو بھی نہیں سکتی۔ کیوں کہ یہ آیت پہلے یعنی مکہ معظّمہ میں نازل ہوئی جیسا کہ تفسیر جامع البیان، بیضاوی، جلالین اور اتقان وغیرہ سے ثابت ہے جب کہ مقتدی کو الحمد پڑھنے کے حکم والی حدیثیں بعد کی یعنی مدنی ہیں۔ اس لیے کہ حضرت انس وابو ہریرہ وغیرہ رضی اللہ عنہما سے ان حدیثوں کی روایتیں جو جزء القراءۃ بخاری اور ترمذی وابوداؤد وغیرہ میں موجود ہیں تو ان کو روایت مدینہ منورہ میں میسر آئی۔ خصوصاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ ہی سنہ سات ہجری میں ہوا ہے۔

[ریاض مستطابہ بھوپالی، ص:۷۰]

پس اِس آیت سے مقتدی کو الحمد پڑھنے کی ممانعت تب ہو سکتی تھی جب کہ وہ حدیثیں پہلے کی ہوتیں اور یہ آیت بعد میں نازل ہوئی ہوتی۔

اشکال ④: بعض کہتے ہیں کہ اگر چہ اس آیت میں الحمد کا ذکر نہیں ہے لیکن جب یہ حکم ہے کہ سنو اور چپ رہو تو یہی حکم قرار پائے گا کہ مقتدی کچھ بھی نہ پڑھے، نہ آواز سے نہ آہستہ۔ اگر اُس نے کچھ بھی پڑھا خواہ الحمد خواہ کوئی اور چیز خواہ آواز سے خواہ آہستہ تو وہ خاموش نہ رہا اور اس طرح آیت کی مخالفت لازم آئے گی۔

جواب: مگر یہ بات بھی نہیں بنتی۔ کیوں کہ مقتدی کو یہ حکم ہے کہ الحمد کو آہستہ اپنے جی میں پڑھے جیسا کہ جزء القراءۃ (فاروقی ص:۱۵)

میں ہے اور اس طرح آہستہ پڑھنے والے کو خاموش رہنے والا ہی کہا جائے گا۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ صحیح بخاری باب ما یقرء بعد التکبیر میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال: کان رسول الله صلى الله عليه وسلم يسكت بين التكبير والقراءة اسكاتة قال: احسبه هنيةً فقلت: بأبي أنت وأمي يا رسول الله! اسكاتك بين التكبير والقراءة ما تقول؟ قال: ((أقول: اللهم باعد بيني وبين خطاياى كما باعدت بين المشرق والمغرب۔ اللهم نقني من الخطايا كما ينقى الثوب الابيض من الدنس۔ اللهم اغسل خطاياى بالماء والثلج والبرد))

''رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع کرتے تو اللہ اکبر کہہ کر کچھ دیر تک خاموش رہتے اُس کے بعد قراءۃ شروع کیا کرتے تھے۔ میں نے کہا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں تکبیر اور قراءۃ کے درمیان جو آپ خاموش رہتے ہیں اُس وقت کیا پڑھا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ اُس وقت یہ دعا پڑھا کرتا ہوں: اللهم باعد بيني وبين خطاياى الخ''

اس حدیث کی رو سے آہستہ یعنی دل میں پڑھنا خاموشی کے خلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ اگر یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہوتیں تو رسول اللہ ﷺ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے جواب میں یوں فرماتے کہ جب یہ پوچھتے ہو کہ اُس وقت آپ کیا پڑھا کرتے ہیں تو خاموش رہنا کیوں کہتے ہو؟ جب کہ مجمع البحار میں بھی ترک جہر یعنی آہستہ پڑھنے کو سکوت کے معنوں میں لکھا ہے۔ [ص: ۱۲۵، ج: ۲] اگر مجمع البحار یا کسی دوسرے لغت میں یہ نہ بھی لکھا ہوتا تو آنحضرت ﷺ نے ...... جو تمام جہاں سے زیادہ فصیح و بلیغ ہیں ...... اس محاورے کو قبول کیا تو بہر حال یہ محاورہ واجب التسلیم ہے کہ آہستہ پڑھنے والا خاموش رہنے والے کے حکم میں ہے۔ چناں چہ آیت کی مخالفت بھی لازم نہ آئی۔

اشکال⑤: بعض کہتے ہیں کہ اگر اپنے جی میں پڑھنے کا حکم ہے تو یہ مطلب ہوا کہ اُس کے مضمون کا خیال کرلے۔ اگر زبان سے لفظوں کو ادا کیا تو یہ دل میں پڑھنا نہ ہوا بلکہ زبان سے پڑھنا ہوا۔

جواب: لیکن یہ بات بھی درست نہیں کیوں کہ الحمد کے حکم میں قراءۃ اور قول کے لفظ موجود ہیں اور دل کے خیال اور تصور پر قراءۃ یا قول کا لفظ نہیں بولا جاسکتا۔ کیوں کہ قول کہتے ہیں بات کو اور نماز میں دنیا کی باتیں کرنے سے سب کے نزدیک نماز باطل ہوجاتی ہے جب کہ دنیا کے خیالات اور تصورات سے کسی کے نزدیک بھی نماز باطل نہیں ہوتی۔ اس سے ثابت ہوا کہ قول وقراءۃ ایک چیز ہے اور خیال وتصور دوسری چیز۔ پس جی میں پڑھنے سے یہ مراد ہوئی کہ ایسا آہستہ پڑھے کہ دوسرے لوگ نہ سنیں۔

بھلا الحمد کا پڑھنا کیوں کر منع ہوسکتا ہے؟ اللہ پاک نے تو الحمد ہی کا نام نماز رکھا ہے۔ چناں چہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: ((قال الله تعالى: قسمت الصلوة بيني وبين عبدى نصفين ولعبدى ما سال، فإذا قال العبد: ﴿الحمد لله رب العالمين﴾ قال الله تعالى: حمدني عبدى، وإذا قال: ﴿ الرحمن الرحيم﴾ قال الله تعالى: اثنى على عبدى، وإذا قال: ﴿ مالك يوم الدين ﴾ قال: مجدني عبدى وإذا قال: ﴿ اياك نعبد واياك نستعين ﴾ قال: هذا بيني وبين عبدى ولعبدى ما سال، فاذا قال: ﴿ اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين ﴾ قال: هذا لعبدى ولعبدى ما سال)) [رواه مسلم، باب القراءة]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں نے نماز کو بندے کے اور اپنے درمیان آدھوں آدھ تقسیم کیا ہے۔ (یعنی کچھ کلمے اللہ کے لیے تعریف کے ہیں اور کچھ بندے کے لیے حاجت اور مراد مانگنے کے۔) جب بندہ کہتا ہے الحمد للہ رب العالمین اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی۔

جب کہتا ہے الرحمٰن الرحیم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری ثنا کی۔ جب بندہ کہتا ہے مالک یوم الدین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔ جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد وایاک نستعین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان میں ہے۔ یعنی تعریف بھی ہے اور مناجات بھی ہے اور میں اپنے بندے کے سوال کو پورا کروں گا۔ جب اہدنا الصراط المستقیم سے آخر تک کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ میرے بندے کے واسطے ہے (یعنی صرف مناجات ہے) اور میں اپنے بندے کا سوال پورا کروں گا۔''

اللہ تعالیٰ نے نماز کی تقسیم کا فرمایا اور اس کی تفسیر الحمد کے کلموں سے فرمائی۔ تو معلوم ہوا کہ الحمد نماز کا بڑا بھاری رکن ہے۔

یہ تو سب کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ قراءۃ بھی اسی طرح فرض عین ہے جس طرح رکوع وسجدہ وغیرہ۔ پس جس طرح امام کا رکوع وسجدہ مقتدی کو کفایت نہیں کرتا اسی طرح امام کی قراءۃ بھی مقتدی کو کفایت نہیں کرسکتی۔ ہاں اگر وہ حدیث صحت کو پہنچ جاتی جس میں یہ ہے کہ امام کی قراءۃ مقتدی کو کافی ہے تو بے شک ایسا ہوسکتا تھا۔ مگر وہ درجہ صحت کو نہیں پہنچتی، پس الحمد کا پڑھنا مقتدی پر ضروری ٹھہرا۔

آمین:

جب الحمد ختم ہو تو اُس وقت آمین کہنا سنت ہے۔ جن نمازوں میں قراءۃ جہر سے پڑھی جاتی ہے اُن میں آمین بھی بالجہر ہی کہنی چاہیے کیوں کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أنـه صلـى خـلف رسـول الله صلى الله عليه وآله وسلم فجهر بآمين۔

''وہ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی تو آپ ﷺ نے آمین جہر کے ساتھ کہی۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں:

《 اذا قـال: غيـر الـمغضوب عليهم ولا الضالين، قال: آمين حتى يسمع من يليه من الصف الاول 》

''رسول اللہ ﷺ جب ولا الضالین تک پڑھ لیتے اُس کے بعد آمین اتنی زور سے کہتے تھے کہ پہلی صف میں قریب کے لوگ سن لیتے تھے۔'' [نيل الاوطار، ص: ۱۱۷، ج: ۲]

ابن ماجہ کی روایت میں یہ لفظ ہیں کہ ''پہلی صف والے سن لیتے اور (پھر سب کی) آمین کی آواز سے مسجد گونج جاتی۔''

دارقطنی نے بھی اس حدیث کو روایت کیا اور کہا ہے کہ اس کی اسناد حسن ہے۔ امام حاکم نے بھی اسے روایت کیا اور کہا کہ بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ بیہقی نے بھی روایت کر کے کہا ہے کہ حسن صحیح ہے۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت جو سفیان کے طریق سے ہے کے یہ لفظ ہیں: 《قال: آمين ومد بها صوته 》یعنی ''میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بلند آواز سے آمین کہی۔'' اسی حدیث کی دوسری سند جو شعبہ کی روایت سے ہے اُس میں یوں ہے کہ ''آپ نے آمین آہستہ کہی۔'' مگر امام دارقطنی نے کہا ہے کہ اس میں شعبہ کو سہو ہوا ہے اور صحیح یہی ہے کہ بلند آواز سے آمین کہی۔ [تلخیص: ۸۹۔ دارقطنی، ص: ۱۲۷]

یحییٰ بن سعید قطان اور یحییٰ بن معین نے کہا ہے کہ جب کبھی شعبہ اور سفیان میں اختلاف ہو تو سفیان کا قول مقدم ہوگا۔ امام بخاری اور دیگر حفاظِ حدیث کا اس امر پر اتفاق ہے کہ اس روایت میں شعبہ سے سہو ہوا ہے اور صحیح یہی ہے کہ آپ نے آمین بہ آوازِ بلند کہی۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ میں نہیں جانتا کہ تمام علمائے حدیث میں سے کسی کا اس امر میں اختلاف ہو کہ جس روایت میں سفیان اور شعبہ کا اختلاف ہوگا اُس میں سفیان کا قول مقبول ہوگا، اور خود شعبہ نے کہا ہے کہ یاد رکھنے میں سفیان مجھ سے بہتر ہیں۔ [مغنی حاشیہ دارقطنی، ص: ۱۲۷، ۱۲۸]

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ''جب رسول اللہ ﷺ ﴿ غيـر الـمغضوب عليهم ولا الضالين ﴾ کی قراءۃ سے فارغ ہوتے تو اونچی آواز سے آمین کہا کرتے تھے۔''

بیہقی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی روایت سے بھی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زور سے آمین کہتے تھے۔

ابن حبان نے کتاب الثقات میں روایت کیا ہے کہ عطاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے دوسو صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس مسجد حرم میں دیکھا کہ جب امام ﴿ ولا الضالین ﴾ کہتا تھا تو وہ بلند آواز سے آمین کہتے تھے۔[مغنی حاشیہ دارقطنی، ص:۱۲۸]

امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر آمین بالجہر کی اَور روایات نہ بھی ہوتیں تو اس کے لیے صرف وہ روایت ہی کافی تھی جس پر حفاظ کا اتفاق ہے اور جس کے لفظ ہیں کہ ''جب امام آمین کہے تب تم بھی آمین کہو۔'' [مغنی، ص:۱۲۸]

عطاء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ''میں نے ابن زبیر وغیرہ اماموں اور سرداروں کو پایا ہے کہ خود اور اُن کے مقتدی بھی اس طرح آمین کہتے تھے کہ مسجد حرم گونج جاتی تھی۔'' [مغنی، ص:۱۲۸ و ص:۹۸]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت ہے:

«ما حسدتكم اليهود على شيء ما حسدتكم على السلام والتامين» [ص:٦٢]

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودی لوگ مسلمانوں کی کسی بات سے اتنا نہیں جلتے جتنا کہ السلام علیکم سے اور آمین سے جلتے ہیں۔''

اس حدیث کے سب راوی اچھے ہیں۔ اِس روایت سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ آمین سے اور السلام علیکم سے یہودی جلا کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اُس وقت میں آمین اونچی آواز سے کہنے کا دستور تھا۔ کیوں کہ زور سے نہ کہی جاتی تو یہودیوں کا جلنا کیوں کر ہوتا؟

چناں چہ نیل الاوطار (جلد دوم، ص:۱۱۷) میں ہے کہ علماء نے اِس حدیث سے بھی آمین بالجہر کا استدلال کیا ہے۔ مولانا بحر العلوم حنفی لکھنوی نے اپنی کتاب ارکان اربعہ (ص:۷۶، مطبوعہ علوی) میں لکھا ہے کہ آہستہ آمین کی ایک حدیث ضعیف کے سوا کوئی روایت صحیح نہیں آئی۔



درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسهیل: محمد اشرف

باب: اصطناع المال

مال کی حفاظت واصلاح کا بیان

٤٨٥۔ عَنِ الْحَارِثِ بْنِ لَقِيطٍ قَالَ: كَانَ الرَّجُلُ مِنَّا تُنْتَجُ فَرَسُهُ فَيَنْحَرُهَا، فَيَقُولُ: أَنَا أَعِيشُ حَتّٰى أَرْكَبَ هٰذَا؟ فَجَاءَنَا كِتَابُ عُمَرَ أَنْ أَصْلِحُوا مَا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ فَإِنَّ فِي الْأَمْرِ تَنَفُّسًا ۔ [صحيح]

''حضرت حنش بن حارث اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں ہم میں سے جب کسی آدمی کی گھوڑی بچہ پیدا کرتی وہ آدمی اس کو ذبح کرتا تھا اور کہتا کہ میں اتنی دیر زندہ رہوں گا جو اس پر سواری کروں گا پھر ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم نامہ (خط) آیا جس کا مضمون یہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے تم کو رزق دیا ہے اس کی اچھے طریقے سے اصلاح کرو کیوں کہ اس کام میں تنفس ہے یعنی قیامت آنے میں کچھ وقت ہے۔''

٤٨٦۔ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِنْ قَامَتِ السَّاعَةُ وَفِي يَدِ أَحَدِكُمْ فَسِيلَةٌ، فَإِنِ اسْتَطَاعَ أَنْ لَا تَقُومَ حَتّٰى يَغْرِسَهَا فَلْيَغْرِسْهَا))

''حضرت ہشام بن زید مرفوع روایت کرتے ہیں کہ اگر قیامت قائم ہوجائے۔ تمہارے ہاتھ میں کھجور کے درخت کا پودا ہو اگر ہوسکے تو قیامت قائم ہونے سے پہلے اس کو لگا دو۔''

٤٨٧۔ عَنْ دَاوُدَ بْنِ أَبِي دَاوُدَ قَالَ: قَالَ لِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ: إِنْ سَمِعْتَ بِالدَّجَّالِ قَدْ خَرَجَ وَأَنْتَ عَلٰى وَدِيَّةٍ تَغْرِسُهَا فَلَا تَعْجَلْ أَنْ تُصْلِحَهَا، فَإِنَّ لِلنَّاسِ بَعْدَ ذٰلِكَ عَيْشًا ۔ [ضعيف الإسناد، فيه داود بن أبي داود، وهو مجهول]

''حضرت عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں اگر تو سنے کہ دجال نکل آیا ہے اور تو ایک پودا لگا رہا ہو تو اسے اچھی طرح لگاؤ جلدی نہ کرو کیوں کہ لوگ اس کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔''

فائدہ: کتب احادیث میں اس موضوع کی بہت سی احادیث آئی ہیں مسلمان کھیتی باڑی کرتا ہے۔ باغ یا درخت لگاتا ہے، یا خدمت خلق کے سلسلہ میں کوئی بھی کام کرتا ہے۔ انسان، حیوان، جانور اس سے کھاتے ہیں یہ سب اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ [محمد اشرف]

باب: دعوة المظلوم

مظلوم کی بددعا کے بیان میں

٤٨٨۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٍ: دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ، وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ، وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهِ))

[صحيح وهو في سنن ابن ماجه برقم: ٣٨٦٢]

''حضرت ابوہریرہ سے مرفوع روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین دعائیں ان کی قبولیت میں کوئی شک نہیں: مظلوم کی دعا، مسافر کی دعا، باپ کی دعا اپنی اولاد کے حق میں۔''

باب: سؤال العبد الرزق من الله عزّوجلّ

اللہ تعالیٰ سے بندے کا رزق کی دعا کرنا

اللهم ارزقنا وانت خير الرازقين ۔

''اے اللہ ہمیں رزق عطا فرما تو بہتر رزق دینے والا ہے۔''

٤٨٩۔ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى الْمِنبَرِ نَظَرَ نَحْوَ الْيَمَنِ فَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ اَقْبِلْ بِقُلُوْبِهِمْ)) وَنَظَرَ نَحْوَ الْعِرَاقِ فَقَالَ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَنَظَرَ نَحْوَ كُلِّ أُفُقٍ مِثْلَ ذٰلِكَ، وَقَالَ: ((اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْ تُرَاثِ الْاَرْضِ، وَبَارِكْ لَنَا فِيْ مُدِّنَا وَصَاعِنَا)) [ضعيف الإسناد، لعنعنة أبي الزبير، فهو مدلّس]

''حضرت جابر ؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو منبر پر یمن کی طرف دیکھتے ہوئے سنا، اے اللہ! ان کے دلوں کو ہماری طرف پھیر دے۔ پھر آپ نے عراق کی طرف دیکھتے ہوئے یہی دعا فرمائی۔ پھر آپ نے ہر افق کی طرف دیکھا یہی دعا کی۔ پھر آپ نے کہا اے اللہ ہم کو زمین کی پیداوار سے رزق عطا فرما اور برکت عطا فرما ہمارے مد میں اور ہمارے صاع میں۔''

باب: الظلم ظلمات

ظلم اندھیرے ہی اندھیرے ہیں

٤٩٠۔ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِتَّقُوا الظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّ الشُّحَّ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، حَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَهُمْ، وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ))

[صحيح مسلم: ٤٥، البر والصلة والأدب، ح:٥٦]

''حضرت جابر بن عبداللہ سے مرفوع ہے: ظلم سے بچو بے شک ظلم قیامت کے دن بہت سے اندھیروں کی شکل میں ہوگا اور اپنے آپ کو بخل سے بچاؤ بے شک تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے ہلاک کیا اور انہیں قتل وغارت پر آمادہ کیا اور پھر انہوں نے حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیا تھا۔''

٤٩١۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((يَكُوْنُ فِيْ آخِرِ أُمَّتِيْ مَسْخٌ وَقَذْفٌ وَخَسْفٌ، وَيَبْدَأُ بِأَهْلِ الْمَظَالِمِ)) [ضعيف الإسناد، فيه المنكدر بن محمد/ وهو ضعيف/ المغني في الضعفاء: ٦٤٤٧]

''حضرت جابر بن عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت کے آخری دور میں قیامت کے قریب شکلیں بدلیں گی، پتھر برسیں گے اور زمین میں دھنسائے جائیں گے، یہ سب عذاب ظلم کرنے والوں سے شروع ہوں گے۔''

٤٩٢۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) [صحيح البخاري:٤٦۔ المظالم:٨/ ومسلم:٤٥۔ البر والصلة والأدب، ح:٥٧]

''عبداللہ بن عمر سے مرفوعاً یہ لفظ ہیں: الظلم ظلمات يوم القيامة ظلم قیامت کے دن بہت سے اندھیروں کی شکل میں ہوگا۔''

٤٩٣۔ عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((إِذَا خَلَصَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنَ النَّارِ حُبِسُوْا بِقَنْطَرَةٍ بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، فَيَتَقَاصُّوْنَ مَظَالِمَ بَيْنَهُمْ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى إِذَا نُقُّوْا وَهُذِّبُوْا أُذِنَ لَهُمْ بِدُخُوْلِ الْجَنَّةِ۔ فَوَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَأَحَدُهُمْ بِمَنْزِلِهِ أَدَلُّ مِنْهُ فِي الدُّنْيَا))

[صحيح البخاري: ٤٦۔ المظالم:١]

''حضرت ابوسعید خدری ؓ سے مرفوع ہے کہ آپ نے فرمایا: جب مومنین دوزخ سے رہائی پائیں گے تو ان کو جنت اور دوزخ کے درمیان پل پر روک دیا جائے گا۔ دنیا میں کیے گئے مظالم کا ایک دوسرے سے بدلہ لیں گے یہاں تک کہ گناہوں سے بالکل صاف ستھرے ہو جائیں گے تب ان کو جنت میں جانے کی اجازت دی جائے گی۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے وہ اپنے جنت والے گھر کو دنیا کے گھر کے مقابلے میں زیادہ پہچان لیں گے۔''

٤٩٤۔ عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: ((إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَإِيَّاكُمْ وَالْفُحْشَ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَاحِشَ الْمُتَفَحِّشَ، وَإِيَّاكُمْ وَالشُّحَّ، فَإِنَّهُ دَعَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَقَطَعُوْا

أَرْحَامَهُمْ، وَدَعَاهُمْ، فَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ ›› [صحیح]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ظلم سے اپنے آپ کو بچاؤ بے شک ظلم قیامت کے دن بہت سے اندھیروں کی شکل میں ہوگا اور فحش سے بچو کیوں کہ اللہ تعالیٰ فحش گو اور فحش کے متلاشی لوگوں کو پسند نہیں کرتا اور بخل سے بچو کیوں کہ تم سے پہلے لوگوں کو بخل نے قطع رحمی پر آمادہ کیا اور بخل نے ہی ان کو حرام کو حلال کرنے پر آمادہ کیا۔''

٤٩٥۔ عن جابر، عن النبی ﷺ قال: ‹‹إِيَّاكُمْ وَالظُّلْمَ فَإِنَّ الظُّلْمَ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَاتَّقُوا الشُّحَّ فَإِنَّهُ أَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، وَحَمَلَهُمْ عَلٰى أَنْ سَفَكُوْا دِمَاءَ هُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ ›› [صحیح]

''حضرت جابر بن عبداللہ نے مرفوعاً ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: اپنے آپ کو ظلم سے بچاؤ بے شک قیامت کے دن ظلم اندھیروں کی شکل میں آئے گا اور بخل سے بچو بے شک بخل نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا اور انہیں قتل وغارت اور حرام کو حلال کرنے پر آمادہ کیا۔''

٤٩٦۔ عَنْ أَبِي الضُّحٰى قَالَ: اِجْتَمَعَ مَسْرُوْقٌ وَشُتَيْرُ بْنُ شَكْلٍ فِي الْمَسْجِدِ فَتَقَوَّضَ إِلَيْهِمَا حِلَقُ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ مَسْرُوْقٌ: لَا أَرَىٰ هٰؤُلَاءِ يَجْتَمِعُوْنَ إِلَيْنَا إِلَّا لِيَسْتَمِعُوْا مِنَّا خَيْرًا، فَإِمَّا أَنْ تُحَدِّثَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَأُصَدِّقَكَ أَنَا، وَإِمَّا أَنْ أُحَدِّثَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ فَتُصَدِّقَنِيْ؟ فَقَالَ: حَدِّثْ يَا أَبَا عَائِشَةَ، قَالَ: هَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: اَلْعَيْنَانِ يَزْنِيَانِ، وَالْيَدَانِ يَزْنِيَانِ، وَالرِّجْلَانِ يَزْنِيَانِ، وَالْفَرْجُ يُصَدِّقُ ذٰلِكَ أَوْ يُكَذِّبُهُ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا سَمِعْتُهُ، قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَجْمَعَ لِحَلَالٍ وَحَرَامٍ وَأَمْرٍ وَنَهْيٍ مِنْ هٰذِهِ الْآيَةِ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى [النحل:٩٠] ﴾ ؟ قَالَ: نَعَمْ وَأَنَا قَدْ سَمِعْتُهُ۔ قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَسْرَعُ فَرَجًا مِنْ قَوْلِهِ: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا [الطلاق:٢] ﴾؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: وَأَنَا قَدْ سَمِعْتُهُ۔ قَالَ: فَهَلْ سَمِعْتَ عَبْدَ اللّٰهِ يَقُوْلُ: مَا فِي الْقُرْآنِ آيَةٌ أَشَدُّ تَفْوِيْضًا مِنْ قَوْلِهِ: ﴿ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰهِ [الزمر:٥٣] ﴾ ؟ قَالَ: نَعَمْ، وَأَنَا سَمِعْتُهُ۔ [حسن الإسناد]

''ابوضحیٰ بیان کرتے ہیں کہ حضرت مسروق اور شتیر بن شکل مسجد میں دونوں اکٹھے ہوئے تو مسجد میں مختلف حلقوں میں بیٹھے ہوئے لوگ ان کی طرف سمٹ آئے اس پر حضرت مسروق نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ ہمارے پاس کوئی اچھی بات سننے کے لیے جمع ہوئے ہیں۔ لہٰذا یا تو آپ عبداللہ بن مسعود کی روایات بیان کریں میں تصدیق کروں گا، یا میں حضرت عبداللہ سے روایت کروں اور آپ تصدیق کریں۔ انہوں نے کہا ابوعائشہ (مسروق کی کنیت) آپ بیان کریں۔

چناں چہ حضرت مسروق نے کہا کیا آپ نے حضرت عبداللہ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے، آنکھیں زنا کرتی ہیں اور دونوں ہاتھ زنا کرتے ہیں اور دونوں پاؤں زنا کرتے ہیں اور شرم گاہ اس کی تصدیق کرتی ہے یا تکذیب کرتی ہے۔

شتیر بن شکل نے کہا ہاں آپ نے سچ کہا میں نے بھی ان سے یہ سنا تھا۔

پھر حضرت مسروق نے کہا کیا آپ نے ان سے یہ بھی سنا تھا کہ قرآنِ مجید میں اس آیت سے بڑھ کر کوئی آیت نہیں جس میں حلال اور حرام امر ونواہی سب ہی بیان کر دیے گئے ہوں وہ آیت یہ ہے:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى ﴾

''بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔'' [النحل:٩٠]

کہا ہاں میں نے بھی حضرت عبداللہ سے سنا ہے۔

پھر کہا کیا آپ نے حضرت عبداللہ سے یہ بھی سنا ہے کہ قرآنِ مجید میں رزق میں وسعت، تنگی سے نجات عطا کرنے والی اس آیت سے بڑھ کر کوئی آیت نہیں:

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ﴾ [الطلاق:۲]

''جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اس کے لیے اس سے نکلنے کی راہ پیدا کر دی جاتی ہے۔''

کہا ہاں میں نے بھی سنا ہے۔

پھر حضرت مسروق نے کہا کیا آپ نے حضرت عبداللہ سے یہ بھی سنا ہے قرآنِ مجید میں کوئی آیت نہیں جس میں اس سے زیادہ تفویض (سپردگی) ہو:

﴿ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ أَسْرَفُوْا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ [الزمر:۵۳]

''اے میرے وہ بندو جو اپنی جانوں پر زیادتی کر چکے ہو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ۔''

کہا ہاں میں نے بھی سنا ہے۔''

۴۹۷۔ عَنْ أَبِيْ ذَرٍّ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، عَنِ اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَالَ: ((يَا عِبَادِيْ! إِنِّيْ قَدْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰى نَفْسِيْ، وَجَعَلْتُهُ مُحَرَّمًا بَيْنَكُمْ، فَلَا تَظَالَمُوْا، يَا عِبَادِيْ! إِنَّكُمُ الَّذِيْنَ تُخْطِؤُوْنَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوْبَ وَلَا أُبَالِيْ، فَاسْتَغْفِرُوْنِيْ أَغْفِرْ لَكُمْ، يَا عِبَادِيْ! كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلَّا مَنْ أَطْعَمْتُهُ فَاسْتَطْعِمُوْنِيْ أُطْعِمْكُمْ، كُلُّكُمْ عَارٍ إِلَّا مَنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُوْنِيْ أَكْسُكُمْ، يَا عِبَادِيْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوْا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ عَبْدٍ مِنْكُمْ لَمْ يَزِدْ ذٰلِكَ فِيْ مُلْكِيْ شَيْئًا، وَلَوْ كَانُوْا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ لَمْ يَنْقُصْ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا، وَلَوِ اجْتَمَعُوْا فِيْ صَعِيْدٍ وَاحِدٍ، فَسَأَلُوْنِيْ فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مِنْهُمْ مَا سَأَلَ، لَمْ يَنْقُصْ ذٰلِكَ مِنْ مُلْكِيْ شَيْئًا إِلَّا كَمَا يَنْقُصُ الْبَحْرَ أَنْ يَغْمِسَ فِيْهِ الْمَخِيْطُ غَمْسَةً وَاحِدَةً، يَا عِبَادِيْ! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أَجْعَلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ وَجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ، وَمَنْ وَجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَا يَلُوْمُ إِلَّا نَفْسَهُ)) كان أبو إدريس، إذا حدَّثَ بهٰذا الحديث، جثٰى على ركبتيه۔ [صحيح مسلم:۴۵۔ البر والصلة والأدب، ح:۵۵]

''ابوذر رضی اللہ عنہ مرفوع روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنی جان پر حرام قرار دیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام قرار دیا ہے تم آپس میں ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔

اے میرے بندو! تم دن رات خطائیں کرتے ہو میں تمہاری خطائیں معاف کرتا رہتا ہوں مجھے کوئی پرواہ نہیں تم مجھ سے استغفار کرو میں تم کو بخش دوں گا۔

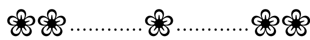
اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو مگر جس کو میں کھلاؤں تم مجھ سے کھانا مانگو میں تم کو کھانا دوں گا۔

اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو مگر میں جس کو پہناؤں تم مجھ سے کپڑا مانگو میں تم کو پہناؤں گا۔

اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے انس وجن سب سے زیادہ پرہیز گار شخص کے دل جیسے ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کچھ اضافہ نہیں ہوگا۔ اگر تمہارے اگلے اور پچھلے انس وجن سب سے زیادہ بدکار شخص کے دل کی طرح ہو جائیں تو اس سے میرے ملک میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

اگر تمام کے تمام انس وجن ایک میدان میں جمع ہو کر مجھ سے اپنی اپنی ضرورت کا سوال کریں اور میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق دے دوں تو اس سے میرے ملک میں اتنی بھی کمی نہیں ہوگی جتنی سمندر میں سوئی کا ناکہ ڈبو کر نکالنے سے ہوتی ہے۔

اے میرے بندو! تمہارے یہ اعمال ہیں میں ان کی گنتی شمار کرتا ہوں میں تم کو انکا پورا پورا بدلہ دوں گا جو کوئی بھلائی پائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے اگر کوئی اس کے علاوہ پائے تو وہ نہ ملامت کرے مگر اپنی جان۔ ابوادریس خولانی جب یہ حدیث بیان کرتے تو گھٹنوں کے بل ہو جاتے۔''



افتاء

قرآنِ مجید کے بوسیدہ اوراق کا تحفظ

از: حافظ محمد الیاس اثری

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحاملانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ قرآنِ مجید کے بوسیدہ اوراق کے پرزوں کو کس طرح محفوظ کیا جائے کہ وہ ہمیشہ بے ادبی سے بچ جائیں جب کہ دریا برد کرنے میں وہ بے ادبی سے نہیں بچ سکتے کیوں کہ جس نے خود اپنی آنکھوں سے دریائے راوی میں اترتے ہوئے پانی میں ایک قرآن دیکھا جو نصف ریت میں تھا اور نصف ریت سے باہر تھا جس کو میں نے احتراماً صاف کر کے اٹھا لیا اگرچہ وہ پھٹا ہوا اور بوسیدہ تھا۔

دوسرا مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے کہ اخبارات اور رسائل میں آیات لکھی ہوئی ہوتی ہیں ان کا کیا کیا جائے جس کا نمونہ آپ کی خدمت میں ارسال ہے کہ کسی نے جلیبی کھا کر کاغذ کو پھینکا جس پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی تھی، جس کو میں نے اٹھا لیا کیوں کہ مجھ سے بے ادبی نہیں دیکھی جاتی۔

برائے مہربانی مجھ بندہ پرتقصیر کو اس کا شافی ووافی حل ارشاد فرمائیں جب کہ بسم اللہ شریف سارے قرآنِ مجید کا نچوڑ ہے اور اسم اعظم ہے۔ [عدیل احمد]

جواب: ائمہ حدیث نے لکھا ہے کہ قرآنِ مجید شعائر اسلام میں سے ہے۔ ان شعائر کی توہین وتحقیر کرنا بالکل ناجائز اور درست نہیں ہے اور کوئی بھی مسلمان بقائمی ہوش وحواس قرآنِ پاک کی نہ توہین کا ارتکاب کرسکتا ہے نہ جائز وصحیح سمجھتا ہے اور نہ ہی اس کا ایمان اس کو اس حرکت کی اجازت دیتا ہے بلکہ ان شعائر کا احترام واکرام کرنا ایمان کا حصہ ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ [الحج]

لہٰذا قرآن مجید کی تعظیم وتوقیر اور ادب واحترام ہر مسلمان کے دل میں ہے۔ کوئی بھی اس کی بے حرمتی نہیں کرسکتا جو بھی یہ حرکت کرے گا وہ دنیا میں بھی سزا کا حق دار ہے اور آخرت میں بھی وہ نہیں بچ سکے گا۔

ادب واحترام کی دنیا میں حضراتِ صحابہ کا نام بہت روشن ہے۔ تعظیم دین اور توقیر اسلام میں ان کی گرد کو بھی کوئی پہنچ نہیں سکتا۔ تاریخی طور پر قرآنِ مجید کو محفوظ کرنے کا جو طریقہ خیر القرون سے مل سکتا ہے اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتا ہے۔

چناں چہ انس رضی اللہ عنہ بن مالک کا بیان ہے کہ حذیفہ رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ ان دنوں ارمینیہ اور آذربائیجان کو فتح کرنے کے لیے اہل شام اور اہل عراق کو ساتھ لے کر تیاری کر رہے تھے۔ انہی دنوں میں لوگوں نے قرآن پڑھنے میں اختلاف کرنا شروع کر دیا تھا (ایک کہتا ہے کہ ہماری قرأت اچھی ہے دوسرا کہتا ہے کہ ہماری اچھی ہے) حذیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ کیفیت دیکھ کر عثمان رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ

ادرك هذه الامة قبل ان يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارىٰ۔

اے خلیفۃ المسلمین آپ اس امت کو بچالیں اس دن سے کہ جس دن یہ بھی یہود ونصاریٰ کی طرح اپنی کتاب میں اختلافات پیدا کر دیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے حفصہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں جمع شدہ اوراق قرآن آپ ہمیں دے دیں ہم اس کی نقلیں کرنے کے بعد اصل نسخہ آپ کو واپس کر دیں گے۔ چناں چہ انہوں نے وہ نسخہ عثمان رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو نقل کرنے کے لیے چار آدمی (زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہم بن حارث) مقرر فرمائے اور ان کو حکم دیا کہ اس کو لکھ لو تو انہوں نے اس کو لکھ لیا۔

عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر زید اور دیگر حضرات (جن کا قریش

کے ساتھ تعلق ہے) کسی قرأت کے بارے میں اختلاف کریں تو قریش کی قرأت کو ترجیح ہوگی کیوں کہ قرآنِ مجید انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔

چناں چہ اس کی نقلیں بنا کر حضرت حفصہ ؓ کو ان کا مصحف واپس کر دیا گیا اور باقی تیار کردہ نقول کو دوسرے علاقوں (مکہ، یمن، شام، بحرین، کوفہ اور بصرہ) ارسال کر دیا اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ قرآن کے اجزاء کسی صورت میں بھی کسی کے پاس ہوں تو وہ ان کو جلا دے۔

وامر بما سواه من القرآن فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق ۔ [صحیح بخاری، ابواب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ج:۲، ص:۷۴۶]

عثمان ؓ کا یہ حکم حضراتِ صحابہ کی موجودگی میں تھا۔ میرے علم کے مطابق کسی ایک صحابی نے بھی ان کے اس حکم کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کے پاس آنحضرت ﷺ کا ارشاد گرامی بھی موجود تھا کہ میرے بعد تم بہت اختلافات پاؤ گے۔ اس وقت تم میری سنت وطریقہ اور میرے خلفائے راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا۔

فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔

[سنن ابی داؤد وغیرہ]

اس حدیث کی روشنی میں عثمان ؓ کا یہ حکم اور عمل ہمارے لیے بہت بہتر ہے کیوں کہ وہ حضرات بھی تو بہتر تھے۔ لہٰذا ان کی فکر تک ہم کہاں پہنچ سکتے ہیں اس لیے ان اوراق کو محفوظ کرنے کے لیے اگر انہوں نے جلا دیا تھا تو یہ عین حکمت کا تقاضا تھا۔

عثمان ؓ کی اذان ثانی برائے جمعہ ہم لے سکتے ہیں تو اس عمل کو اختیار کرنے میں بھی تامل کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں احتیاط زیادہ ہے جیسا کہ سائل نے کہا ہے کہ دریائے راوی میں میں نے ایک نسخہ قرآنِ مجید کا خود اٹھایا ہے۔ نہر میں ڈالنے سے اشکال کیسے رفع ہوسکتا ہے بلکہ اس میں بے حرمتی کے امکانات موجود ہیں۔ چناں چہ نہروں کا پانی جب چھوٹے نالوں کے ذریعہ کھیتوں میں جاتا ہے تو کئی مرتبہ قرآنی اوراق اس پانی میں تیرتے دیکھے جاتے ہیں۔ پرانے زمانے میں بوسیدہ اوراق کنویں میں پھینک دیتے تھے۔ چناں چہ ایسے ہی کنویں کے پانی کی نالیوں میں بھی اکثر ایسے اوراق دیکھے جاتے تھے۔

اب جن علماء نے کہا ہے کہ ان کو کسی محفوظ جگہ پر دفن کر دیا جائے۔ اس بات میں بھی بے حرمتی کا پہلو موجود ہے کہ اکثر قبرستان میں ہی دفن کر دیتے ہیں جن کے اوپر سے جانور اور آدمی گزرتے رہتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ بھی بے حرمتی کی ہی بات ہے۔ اصل بات حرمت والی وہی ہے جو صحابہ کرام نے باہم مشورہ سے کی اور اس اجتماع میں کسی نے بھی اعتراض نہیں کیا تو گویا یہ صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا۔ یعنی تمام صحابہ کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ بوسیدہ اوراق کو جلا دینا چاہیے اور میرے خیال میں اس کی راکھ دفن کرنا چاہیے تاکہ وہ بھی پاؤں کے نیچے نہ آئے۔ چناں چہ مسند احمد میں حدیث بایں الفاظ موجود ہے:

عن ابی هریرة قال کنا قعودا نکتب ما نسمع من النبی ﷺ فخرج علینا فقال ما هذا تکتبون فقلنا ما نسمع منك فقال أکتاب مع کتاب اللّٰه امحضوا کتاب اللّٰه و اخلصوا قال فجمعنا ما کتبنا فی صعید واحد ثم احرقناه بالنار قلنا أی رسول اللّٰه انتحدث عنك قال نعم تحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار قال فقلنا یا رسول اللّٰه انتحدث عن بنی اسرائیل قال نعم تحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج فانکم لا تحدثو عنهم بشیء الا وقد کان فیهم اعجب منه۔

[مسند احمد، ج:۳، ص:۱۳]

”حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ ہم بیٹھے ہوئے آپ ﷺ کے ارشادات جو ہم سنتے تھے لکھ رہے تھے کہ آنحضرت ﷺ تشریف لے آئے اور پوچھا کیا لکھ رہے ہو؟ میں نے کہا حضرت جو ہم آپ سے سنتے ہیں وہ لکھ رہے ہیں۔ فرمایا صرف قرآن کو لکھا کرو کیا تم اللہ کی کتاب کے علاوہ اور

کتاب لکھنا چاہتے ہو۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے سارا لکھا ہوا ایک جگہ جمع کر کے آگ لگا کر جلا دیا۔ پھر ہم نے کہا کہ یا حضرت کیا ہم جو آپ سے حدیث سنتے ہیں وہ بیان کریں۔ فرمایا میری حدیث بیان کیا کرو کوئی حرج نہیں ہے لیکن میرے ذمہ کوئی غلط بات نہ لگانا جو میری طرف کوئی غلط بات منسوب کرے وہ جہنمی ہے۔ پھر ہم نے کہا کیا ہم بنی اسرائیل سے سن کر باتیں بیان کر سکتے ہیں۔ فرمایا بیان کر لیا کرو کیوں کہ ان میں بھی بعض اچھی باتیں ہوتی ہیں۔''

گویا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحابہ نے وہ تمام چیزیں جلا دیں جن میں قرآنی آیات کے ساتھ ساتھ کچھ تفسیری باتیں جو آپ سے سنی تھیں لکھی ہوئی تھیں یعنی یہ تقریری حدیث کی صورت بن گئی۔

دوسرا واقعہ جس کا ذکر ابھی اوپر بحوالہ بخاری شریف آ چکا ہے اس کی تفصیل علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس طرح نقل فرمائی ہے:

''حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بڑے بڑے فضائل میں سے اور ان کی بہت عظیم نیکیوں میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے لوگوں کو ایک قرأت پر جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو قرآن نازل ہوا، جس کو جبرئیل ہر سال آپ سے دور کیا کرتے تھے آخری دور والا قرآن لکھوا کر نشر کیا۔

اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن یمان کسی جنگ میں تھے اس میں شامی لوگ بھی تھے جو مقداد بن اسود اور ابو درداء کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھتے تھے اور عراقی لوگ بھی تھے جو عبداللہ بن مسعود اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھتے تھے اور ان میں وہ لوگ بھی تھے جن کو یہ علم نہ تھا کہ قرآن سات قرأتوں پر نازل ہوا ہے۔ وہ ایک دوسرے کی قرأت کو ایک دوسرے پر فضیلت دے رہے تھے بلکہ دوسرے کی قرأت کو غلط کہتے تھے جس کی وجہ سے شدید اختلاف پیدا ہونے کو تھا کہ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کے پاس پہنچ کر کہا کہ اے امیر المومنین امت سے اس بات کا تدارک فرمائیں ایسا نہ ہو کہ یہود و نصاریٰ کی طرح یہ امت بھی اختلاف میں پڑ جائے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو اکٹھا کر کے ان سے مشورہ کیا اور یہی طے پایا کہ قرآن کو ایک ہی قرأت (قریش) پر لکھوا کر تمام علاقوں میں بھجوا دیں تا کہ جھگڑا اور اختلاف ختم ہو جائے۔ پس انہوں نے وہ قرآن منگوایا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے زید بن ثابت کاتب وحی سے لکھوایا تھا اور ان کی وفات پر وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات پر وہ قرآن ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا گیا تھا وہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منگوا کر حضرت زید بن ثابت کو ہی دیا کہ وہ قرآن لکھوائے اور لکھنے پر حضرت سعید بن عاص اموی، عبداللہ بن زبیر اسدی، عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی کو مقرر کیا اور حکم دیا کہ قرأت قریش پر لکھیں۔

انہوں نے شام، مصر، بصرہ، کوفہ، مکہ اور یمن وغیرہ کے لیے ایک ایک مصحف لکھ کر بھجوا دیا اسی میں سے ایک مدینہ میں بھی رکھا۔ یہ سب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نہیں تھے بلکہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لکھوانے سے لکھے گئے تھے جس کو آج عثمانی مصحف کہتے ہیں۔ جس طرح دینار کو ہرقلی دینار کہتے ہیں جو اس کے زمانہ میں اس کی مہر سے بنے تھے۔ اسی طرح یہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف اس لیے منسوب ہیں کہ ان کے حکم سے ان کے دور خلافت میں لکھے گئے۔

واقدی بیان کرتا ہے جس کو اور لوگوں نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن لکھوا کر تقسیم فرمائے تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس آئے اور کہا کہ آپ نے بہت ہی اچھا اور درست کام کیا ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے میرے بعد ایک قوم ایسی ہو گی جو مجھ سے بہت محبت کرے گی اور مجھ پر ایمان لائے گی۔ حالاں کہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں اور وہ صرف اُس پر عمل کریں گے جو ان اوراق میں لکھا ہو گا۔ میں سوچتا تھا کہ وہ اوراق کیا ہیں حتیٰ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے قرآن اوراق میں لکھا ہوا دیکھ لیا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ بات بہت اچھی لگی تو انہوں نے ان کو دس ہزار روپے دیے اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کا فرمان

بھی اس پر منطبق ہوگا۔ پھر انہوں نے جتنے اختلافی قرأت والے صحیفے تھے لوگوں سے منگوا کر جلا دیئے تا کہ اس کے بعد کبھی اختلاف رونما نہ ہو سکے۔

ابوبکر بن ابی داؤد نے اپنی کتاب المصاحف میں سوید بن غفلہ سے روایت کیا ہے باقی مصاحف جلانے پر لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ ایسا نہ کرتے تو میں کرتا۔ اس کو ابوداؤد طیالسی نے بھی روایت کیا ہے۔ اور بیہقی نے محمد بن ابان جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بہنوئی تھا انہوں نے علقمہ بن مرثد سے بیان کیا۔ میں نے عیزار سے سنا جو سوید بن غفلہ سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف زیادتی کی باتیں مت کرو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے باقی نسخوں کو تمام صحابہ کے مشورہ سے جلایا تھا۔ اگر اس وقت میں امیر ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو عثمان رضی اللہ عنہ نے کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح کی روایت ہے جس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انھیں کہا کہ یہ سب صحابہ کے مشورہ اور ان کے اتفاق سے کیا گیا تا کہ لوگ متفق رہیں اور اختلاف سے بچے رہیں تو انہوں نے اسے قبول فرمایا اور مخالف باتیں ترک کردیں۔ [البدایہ والنہایہ، ج:۷، ص:۲۱۶، ۲۱۷]

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ جن اوراق پر قرآنی آیات یا اللہ تعالیٰ کا نام وغیرہ لکھا ہوا ان کو تلف کرنے کے لیے جلانے سے اچھا اور کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یعنی اس پر تمام صحابہ کا اجماع ہوگیا۔ اب صحابہ کے اجماع اور حدیث تقریری کے ہوتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حکم کے ماننے میں آخر کیا چیز مانع ہے۔

حافظ ابن حجر نے اس موضوع پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ابن بطال نے کہا:

فی هذا الحديث جواز تحريق الكتب التى فيها اسم الله بالنار وان ذالك اكرام لها وصون عن وطئها بالاقدام ۔ [فتح الباری جلد:۹، ص:۱۸]

''وہ کتب ورسائل جن میں اللہ تعالیٰ کا نام تحریر ہو ان کو آگ سے جلانے کا اشارہ اس حدیث سے ملتا ہے اور یہی ان کو محفوظ کرنے کا بہتر طریقہ ہے اور یہی ان کی عزت وتوقیر ہے۔''

طاؤس (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کے پاس ایسے رسائل جمع ہو جاتے جن میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوتی تھی وہ ان کو جلا دیا کرتے تھے۔

آج جن رسائل وکتب کے سرورق پر بسم اللہ لکھی ہوتی ہے ان کو یہ تحریر ہی نہیں کرنی چاہیے اور اگر کہیں ایسی کوئی تحریر مل جائے تو اس کو جلا دینے میں اگر توہین مقصود نہ ہو تو بالکل توہین نہیں ہوتی۔

اپنے شہر گوجراں والا کے بڑے قبرستان میں کئی دفعہ ہمیں جانے کا موقع ملتا ہے دیکھا ہے کہ حکومت نے وہاں کئی کنویں بنوائے ہیں جن میں پھٹے پرانے مقدس اوراق ڈال دیئے جاتے ہیں جب وہ پر ہو جاتے ہیں تو انہیں آگ لگا دی جاتی ہے۔ لوگ بجھا دیتے ہیں کہ یہ بے حرمتی ہوتی ہے۔ اب اگر ان کو جلایا نہ جائے تو جس انداز سے قرآنِ مجید کی طباعت ہو رہی ہے پھر لوگ ان کو خرید کر پڑھتے ہیں اور وہ بوسیدہ بھی ہوتے ہیں اس کے لیے کون سی جگہ ہوگی جہاں ان کو دفن کیا جائے اس کے لیے تو کئی احاطے جگہ کی ضرورت ہوگی۔

مگر المیہ یہ ہے کہ لوگ جذباتی ہو کر ہنگامے کرنے لگتے ہیں حالاں کہ مسلمان ایسی توہین نہیں کر سکتا، البتہ غیر مسلم کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اس نے بطور توہین جلانے کا ارتکاب کیا ہے مگر صحیح مسلمان آدمی کے بارے میں یہ شبہ بھی بالکل درست نہیں۔

اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔



ابوالاحتشام حمزہ طور کے سسر کا انتقال

مولانا امیر حمزہ حماد طور (نائب ناظم مرکزی جمعیت اہل حدیث پنجاب) کے سسر محترم ۱۰ جنوری بروز اتوار جھوک دادو طور ضلع فیصل آباد میں انتقال کر گئے۔ مرحوم بڑے عبادت گزار اور مہمان نواز آدمی تھے۔ احباب سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

[طیب الرحمٰن طور]

تفسیری افادات

سورۃ الإنشراح

محمد عبدہٗ المصری رحمہ اللہ ...... ترجمہ: مولانا عبدالغفار حسن رحمہ اللہ

آنحضور ﷺ کے دل میں امت کی اصلاح اور فلاح کا اس قدر خیال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رہنمائی فرمائی۔ آپ ہی کے ذریعہ ایک قوم نہیں بلکہ ان گنت قوموں کو وہم پرستی اور جہالت کی دلدل اور شرک وفساد کی گھاٹیوں سے نکال کر حق وصداقت، معرفت الٰہی، باہمی محبت والفت کی نعمتوں سے مالا مال کیا، اسی کو فرمایا گیا ہے:

﴿ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط ﴾

”تم آگ کے کنارے پر تھے۔ پس تمہیں اللہ نے اس سے بچالیا۔“ [آلِ عمران: ۱۰۳]

جس باعظمت پیغمبر کے ذریعہ اتنا بڑا کام انجام پایا۔ کیا اس کی شان سے بڑھ کر کسی کی شان ہوسکے گی۔ اس کے ذکر سے زیادہ بلند کسی کا ذکر ہوسکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جس کی نبوت کا اقرار کرنا فرض اور جس کی رسالت تسلیم کیے بغیر جنت میں داخلہ محال، اسی لیے تو فرمایا:

﴿ ورفعنا لك ذكرك ﴾

”یعنی اے محمد (ﷺ) ہم نے تمہارے لیے ذکر وبلندی بخشی۔“

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یعنی ① شرح صدر، ② وضع وزر اور ③ رفع ذکر۔

یہ تینوں نعمتیں کب ظہور میں آئیں؟ تکلیفیں برداشت کر لینے اور پریشانی، مصائب اور مشکلات کے بھاری بوجھ کو آغاز سفر میں برداشت کرنے کے بعد راحت وآرام کی کلیاں کھلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت کے مطابق اکثر دشواریوں کے بعد آسانی کی شعائیں نمودار ہوتی ہیں۔ فرمایا:

﴿ إنّ مع العسر يسرا ﴾

”یعنی کہ ہر مشکل آسانی سے ہمکنار ہے۔“

عســـــر میں ال استغراق کے لیے ہے یعنی تمام وہ دشواریاں جو مخاطبین میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً فقر وفاقہ، ضعف، دوستوں کی نادانی، دشمنوں کی تقویت، وسائل اسباب کی کمی اور اس قسم کی دوسری مشکلات، جس کی زیادتی سے انسان بے تاب وبے قرار ہو کر نجات کی راہیں سوچنے لگتا ہے۔ اور عقل وفہم سے قسم قسم کی تدبیریں نکالتا ہے۔ بالآخر ان تمام مشکلات میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے۔ اگر مطلوب تک پہنچنے میں پہلی بار ناکامی بھی ہوتی ہے تب بھی وہ اپنے مقصد سے باز نہیں آتا۔ مصیبت کی پہلی ٹکر میں اس کا عزم نہیں بدلتا۔ اس قسم کے انسان کی کامیابی وکامرانی میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

یہی حال آنحضرت ﷺ کا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بہت بڑے انعام سے نوازا جب کہ وہ ان حالات کی وجہ سے غور وفکر پر مجبور ہوگئے تھے۔ ادھر ربانی تجلیات جلوہ فگن ہوئیں اور وحی کا پے در پے سلسلہ شروع ہوگیا، اس ربانی روشنی میں آپ کی ہمت، رہبری اور ارادہ پختہ ہوگیا۔ اب نہ مشکلات کا خیال ہے اور نہ قوم کی نافرمانی سے پریشانی۔ بلکہ سکون واطمینان کی موجیں قلب نبوت میں تلاطم خیز ہیں۔ آپ برابر تنگ حالی میں، فراخی اور کمزوری میں قوت طلب کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ کو وہ قوت عطا ہوئی جس نے قیصر وکسریٰ کے ایوانوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ہزاروں برس کی طاغوتی سلطنتیں زیروزبر کردیں۔

یہی وہ قوت تھی جو امت نے آپ سے میراث میں لی۔ لیکن افسوس وہ اس کی قدر نہ کرسکی۔ اس نے اپنا رشتہ ان سے کاٹ دیا، جس کو پہلوں نے چھوڑ کر ترقی پائی تھی، کاش یہ امت محمدی حقیقی معنوں میں امت محمدیہ رہتی۔ افسوس اب تو صرف نام باقی ہے۔ اسی پاداش میں وہ اپنے نبی کی میراث سے محروم کردی گئی۔ آج دشمن مالا مال ہیں اور اس

میراث کے حقیقی وارث مفلس ونادار۔ امت محمدیہ اب بھی آنکھ کھول کر دیکھے تو اس کے لیے اس مبارک سورت میں درس عبرت ہے۔ یہ امت اس وقت چاروں طرف سے مصیبتوں اور بربادیوں میں گھری ہوئی ہے۔ مایوسی نے کمر ہمت توڑ دی ہے۔ لیکن کیا یہ باعث عبرت نہیں ہے۔

﴿ فان مع العسر يسرا ﴾

''ہر مشکل کے بعد آسانی ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق ہے۔ اس کا قول اٹل ہے۔ اگر آج بھی امت محمدیہ تباہی سے بچنے کے لیے اپنے نبی کی پیروی کرے تو کیا گزشتہ عظمت وسطوت واپس نہیں آسکتی؟ کیوں نہیں ضرور! قرآنِ حکیم کی روشنی میں ہر مشکل آسان ہوسکتی ہے۔ لیکن مصیبت تو یہ ہے جس کے سر پر مشکلات کا ہجوم ہے وہ اس روشن حقیقت پر کیسے ایمان لائے۔ اس کو تو مایوسی اور بزدلی نے اللہ کی اس دائمی سنت سے کوسوں دور کیا ہوا ہے۔ اس کو تو شک ہے کہ ان مشکلات میں آرام کہاں نصیب۔ ان دشواریوں میں آسانی کیسے میسر ہوگی۔ اس لیے باری تعالیٰ نے اس حقیقت کو آشکارا کردیا ہے کہ ہر قسم کی مشکلات اور مصائب کے بعد راحت اور آسانی ہے تاکہ ہر قسم کے شک وشبہ کا قلع قمع ہوجائے۔ فرمایا:

﴿ إن مع العسر يسرا ﴾

یعنی ''بلاشبہ ہر مشکل کے ہمراہ آسانی ہے۔''

یہاں پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ پہلی بار ﴿ فان مع العسر يسرا ﴾ کہلایا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی مخفی نہ رہے کہ ﴿ إن مع العسر يسرا ﴾ مکرر معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت یہاں پر دوسرا جملہ اپنے مفہوم کے لحاظ سے پہلی آیت کے مفہوم سے عام ہے۔ یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ بعض دفعہ قومیں ان مصائب ومشکلات میں مبتلا ہوجائیں جن کا تذکرہ پہلے ہوچکا ہے۔ لیکن وہ اپنی پست ہمتی اور بزدلی کی وجہ سے ان سے نجات پانے کے لیے کوشش نہیں کرتیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مرتے دم تک وہ دشواریوں کے بھنور میں پھنسی رہتی ہیں اور راحت وآسانی کا ایک لمحہ بھی ان کو میسر نہیں ہوتا۔ اور پھر انہی مشکلات میں ان کی آئندہ نسلیں بھی گرفتار ہوتی ہیں۔

اسی طرح دائمی مرض اور اپاہج پن ہے کہ انسان اس میں عمر بھر مبتلا رہتا ہے اور ایک سیکنڈ بھی سکون وآرام سے نہیں گزرتا۔ ان مذکورہ بالا دو صورتوں کو سامنے رکھتے ہوئے کیسے یقین کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کا یہ کہنا کہ ''ہر مشکل کے بعد آسانی ہے'' درست ہے۔

اس شبہ کے ازالہ کے لیے ﴿ إن مع العسر يسرا ﴾ دوبارہ کہا گیا ہے کہ واقعی مشکلات کے ساتھ آسانی ہے۔ مگر کب؟ جب آسانی طلب کرنے کے لیے جدوجہد بھی کی جائے۔ نجات کے وسائل واسباب کی تلاش میں سرگرم رہا جائے۔ جیسا کہ آنحضرت ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کیا۔ کیا یہ پہلی صدی کے مسلمان راحت وآسانی سے ہم آغوش نہیں ہوئے؟ کیا انہوں نے سختیوں کے بعد وسعت وفراخی نہیں پائی؟ ہاں پائی! اور ضرور پائی۔ لیکن جب کہ ثابت قدمی وپامردی سے انہوں نے تمام مشکلات کا مقابلہ کیا اور قرآن کی اس حقیقت کو اپنے سامنے رکھا۔

لیکن جو پست ہمت اور بزدل ہیں ان کی خواہش صرف یہی ہے کہ نجات کے وسائل وذرائع کے لیے کچھ بھی کاوش نہ کی جائے اور قانونِ فطرت کے خلاف گھر بیٹھے ان کو کامیابی کا مژدہ سنا دیا جائے۔ ایسے لوگ شروع شروع میں تکلیف ومشقت کا احساس کرتے ہیں لیکن اس کے بعد درد اور تکلیف کے عادی ہوجاتے ہیں۔ اور یہ مصیبت، راحت سے بدل جاتی ہے۔

اس قسم کے لوگوں کی مثال سگریٹ پینے والے کی سی ہے۔ پہلی بار جب سگریٹ کا کش لگاتا ہے تو سر چکرانے لگتا ہے اور درد کی شدت سے بے تاب ہوجاتا ہے۔ لیکن کچھ عرصہ کی عادت کے بعد سگریٹ ترک کرنے میں تکلیف اور اس کے استعمال میں راحت پاتا ہے۔

یہی حال ان قوموں کا ہے جو ظلم واستبداد اور غلامی ومحکومی کا شکار ہوچکی ہیں۔ ان کو اس حالت سے گہری اُنسیت ہوگئی ہے۔ اب انقلاب، تبدیلی اور جہاد کا نام سن کر ان کی جان پر بن جاتی ہے۔ غور تو کرو! جو حالت ابتدا میں قابل نفرت تھی اب اس پر پوری رغبت والفت کے ساتھ قناعت کیسے ہورہی ہے۔ اب یہ مشکل ان کو آسان اور یہ مصیبت ان کو راحت معلوم ہورہی ہے۔ اسی حقیقت کو یوں ظاہر کیا گیا ہے: ﴿ إن مع العسر يسرا ﴾

یہ بھی ایک قسم کی یسر (آسانی) ہے۔ گو عسر (مشکل) سے بھی زیادہ منحوس ہے۔

باقی رہا شبہ دائمی مرض کے متعلق، تو یہ اس آیت کے ماتحت نہیں بلکہ اس صورت میں قرآن کا دوسرا قانون جاری ہے۔ جس کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ فَـإِذَا جَــآءَ أَجَـلُهُــمْ لَا يَسْتَـأْخِـرُوْنَ سَـاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴾ [الاعراف: ٣٤]

''جب خدا کا مقرر کردہ وقت سر پر آ پہنچتا ہے تو پھر ذرا سی بھی مہلت نہیں مل سکتی۔''

اسی طرح جب کسی قوم کے فنا ہونے کا وقت آتا ہے تو پھر آنے والی تباہی کسی طرح نہیں ٹل سکتی۔ یہاں پر العسر کے بعد یسر کو نکرہ لایا گیا ہے۔ جس سے مقصود یہ ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ کسی نہ کسی قسم کی آسانی ضروری ہے۔ کسی خاص آسانی کا وجود شرط نہیں ہے۔ اسی طرح فرمایا گیا کہ ''مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔'' حالاں کہ مشکل کے ختم ہونے پر آسانی کا ظہور ہوتا ہے۔

اس طرز بیان میں نکتہ یہ ہے کہ انسان پوری پختہ امید کے ساتھ دل میں مطمئن رہے تو آسانی وراحت کا ظہور یقینی ہے گویا مشکل کے ساتھ ہی موجود ہے۔ جب یہ جان لیا گیا کہ ہر عسر کے ہمراہ یسر ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ ہر عملی مشقت کے بعد راحت وآرام ہے۔ فرمایا:

﴿ فاذا فرغت فانصب ﴾

یعنی ''اے محمد (ﷺ)! جب تم کسی مفید کام سے فارغ ہو تو کسی دوسرے سودمند کام کے لیے محنت شروع کر دو۔''

کیوں کہ اصلی لذت اور راحت وہی ہے جب کہ محنت عمل کا پھل ملتا ہے۔

﴿ وإلى ربك فارغب ﴾

''صرف اپنے پروردگار ہی کی طرف رغبت کرو۔''

یعنی محنت ومشقت کا پھل طلب کرنے کے لیے سوائے اپنے پروردگار کے اور کسی کی طرف رغبت نہیں ہونی چاہیے۔

جمہور مفسرین کے نزدیک یہ سورۃ مکی ہے۔ بلکہ بعض کے خیال میں یہ سورۃ والضحیٰ کا تکملہ ہے۔

اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ وحی بند ہو جانے سے جو پریشانی اور انقباض آپ کو ہو گیا تھا۔ اس کے ازالے کو شرح صدر کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ کیوں کہ پھر تو وحی کا نزول مسلسل ہو گیا تھا۔ جس سے آپ کو تقویت وتسکین حاصل ہوئی۔

مفسر بقاعی کا خیال ہے کہ یہ سورۃ مدنی ہے۔ اس لیے کہ شرح صدر اور رفع ذکر سے مراد فتوحات ہیں جو آنحضرت ﷺ کو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مدنی زندگی میں حاصل ہوئیں اور حق کو غلبہ عطا فرمایا۔

واللہ اعلم بالصواب۔

❀❀..........❀..........❀❀

اعلان

ابنآء الجماعۃ السّلفیہ کوٹ رادھا کشن احسان الرحمٰن خلیل بن محمد ابراہیم خلیل منصور پوری کو ناظم نشر واشاعت نامزد کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے۔ آمین

الامیر ابنآء جماعۃ السّلفیہ، شفیق الرحمٰن بن الحاج مستری حبیب اللہ بھٹی۔ کوٹ رادھا کشن (قصور)

معاشی مسائل

اجارہ کے اصول اور اسلامی وسودی بینک!

حافظ ذوالفقارعلی، ابو ہریرہ شریعہ کالج لاہور

آج کل اسلامی بینکاری کا بڑا غلغلہ ہے۔ پاکستان سمیت دنیا بھر میں اسلام کے نام پر بینک اور مالیاتی ادارے قائم کئے جا رہے ہیں۔ یہ بینک اور مالیاتی ادارے جن شرعی اصطلاحات کے نام پر اپنی مصنوعات متعارف کرا رہے ہیں ان میں اجارہ (Ijarah) بھی شامل ہے بلکہ اسلامی بینکاری کے سیاق وسباق میں اس کا تذکرہ بکثرت ہوتا رہتا ہے، جیسے آٹو اجارہ، پلانٹ اینڈ مشینری اجارہ وغیرہ، جبکہ روائتی بینک بھی اس کے استعمال میں پیش پیش ہیں بلکہ بینکاری کے ساتھ اس کا تعارف روائتی بینکوں کے ذریعے ہی ممکن ہوا ہے اسلامی بینکوں نے یہ تصور انہی سے لیا ہے۔

بلاشبہ اجارہ اسلامی معیشت کی معروف اصطلاح ہے جس سے دین کا ہر طالب علم آشنا ہے لیکن محض اجارے کا لفظ دیکھ کر کسی معاملے کو اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا جب تک وہ پوری طرح شرعی اصول سے ہم آہنگ نہ ہو۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اجارہ کے شرعی احکام سے روشناس کرایا جائے تاکہ وہ خود فیصلہ کر سکیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

اجارہ کی حقیقت

لغوی اعتبار سے اجارہ کا لفظ ''اجر'' سے مأخوذ ہے جس کے معنی ہے ''معاوضہ۔'' ماہرین شریعت کے نزدیک جب ایک طرف کسی چیز کا حق استعمال (Usufruct) یا کسی شخص کی محنت ہو اور دوسری جانب اس کا معاوضہ تو وہ معاملہ اجارہ کہلاتا ہے۔ چنانچہ اجارہ کی شرعی تعریف یوں کی جاتی ہے۔

هی عقد علی منفعة مباحة معلومة من عين معينة أو موصوفة فی الذمة مدة معلومة أو عمل معلوم بعوض معلوم۔ [الروض المربع، باب الاجارة]

''طے شدہ معاوضے کے بدلے کسی مُعَیَّن چیز یا ایسی (غیر معین) چیز جس کے اوصاف بیان کر دیے گئے ہوں کے جائز اور معلوم حقِ استعمال کو متعین مدت کے لیے دینے یا طے شدہ اجرت کے عوض کوئی معلوم کام کرانے کا معاہدہ اجارہ ہے۔''

درج بالا تعریف کی روشنی میں ثابت ہوا کہ اسلامی قانون معیشت میں اجارہ کی اصطلاح دو مختلف صورتوں کے لیے استعمال ہوتی ہے۔

① ...... متعین مدت کے لیے اپنے کسی اثاثے یا جائیداد کا حق استعمال دوسرے شخص کی طرف منتقل کرنا اور اس کے بدلے کرایہ وصول پانا۔ اس کو اردو میں پٹہ داری، انگریزی میں Lease اور عربی میں اجارۃُ الأعیان کہتے ہیں۔حق استعمال (Usufruct) کے الفاظ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اجارہ میں صرف فائدہ حاصل کرنے کا حق فروخت کیا جاتا ہے، خود چیز مالک یعنی اجارہ پر دینے والے شخص کی ملکیت میں ہی رہتی ہے۔

② ...... اجرت پر کوئی کام کرنا یا کرانا، چاہے وہ کام جسمانی ہو یا ذہنی۔ چناں چہ معاوضے پر کسی مزدور، ڈاکٹر، انجینئر یا وکیل کی خدمات حاصل کرنا سب اجارہ میں داخل ہے۔ اس کو انگریزی میں Employment اور عربی میں اجارۃ الاشخاص کہتے ہیں۔

قرآن وسنت کی روشنی میں اجارہ کی یہ دونوں صورتیں جائز ہیں اور زمانہ قدیم سے لے کر آج تک دنیا میں رائج چلی آ رہی ہیں۔

اجارہ اور بیع میں فرق

اصطلاح میں تو اجارہ بیع کی ایک قسم ہے تاہم اس میں اور عام بیع میں حسب ذیل فرق ہے۔

① ...... اجارہ میں صرف اثاثے اور جائیداد کا حق استعمال فروخت کیا جاتا ہے، ملکیتی حقوق بدستور مالک کے پاس ہی رہتے ہیں، جیسا کہ ہم گزشتہ سطور میں بیان کر آئے ہیں جبکہ بیع میں ملکیت بھی خریدار کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

② ...... انعقاد بیع کے بعد اس کے نتائج مؤخر نہیں کئے جا سکتے، یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ بیع تو آج کر لیں مگر اس کے اثرات جیسے انتقال ملکیت، مشتری کے ذمے قیمت کا وجوب وغیرہ مستقبل میں ظاہر ہوں، جبکہ اجارہ میں اس کی گنجائش ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اجارہ کا معاملہ اس طرح کرے کہ یہ اجارہ تین دن یا ایک مہینہ یا ایک سال بعد شروع ہوگا تو یہ جائز ہے اور جب وہ تاریخ آئے گی تو طے شدہ شرائط کے مطابق اجارہ شروع ہو جائے گا۔ [صحیح بخاری: کتاب الایجارات، باب اذا استأجر اجیرا لیعمل له بعد ثلاثة أیام أو بعد شهر أو بعد سنة جاز]

③ ...... بیع دائمی ہوتی ہے اور اجارہ محدود مدت کے لیے۔ یہی وجہ ہے اجارہ کی تعریف میں متعین مدت کی قید لازمی لگائی جاتی ہے، جیسا کہ اجارہ کی تعریف سے مترشح ہے۔

اجارہ اور قرض میں فرق

بعض حضرات قرض کو اجارہ پر قیاس کرتے ہیں کہ جس طرح اجارہ کی آمدنی جائز ہے اسی طرح قرض سے حاصل شدہ فوائد بھی جائز ہونے چاہئیں، کیونکہ اجارہ اور قرض ایک حد تک باہم ملتے جلتے ہیں کہ دونوں میں بغیر کسی محنت اور مشقت کے مستقل آمدنی وصول کی جاتی ہے، مگر یہ قیاس درست نہیں، کیونکہ قرض اور اجارہ کے درمیان متعدد نمایاں فرق ہیں جو درج ذیل ہیں۔

❁ ...... اسلامی نقطۂ نگاہ سے قرض کا مقصد قرض گیر کے ساتھ نیکی اور احسان کرنا ہے نہ کہ فائدہ حاصل کرنا، لہٰذا اس کا معاوضہ نہیں لیا جا سکتا، جبکہ اجارہ ان معاملات میں شامل ہے جن میں ایک فریق دوسرے سے معاوضہ لینے کا حق رکھتا ہے۔

❁ ...... اجارہ صرف انہی اشیاء میں ہوتا ہے جو استعمال کے بعد باقی رہیں جبکہ قرض کے قابل صرف وہی اشیاء ہیں جنہیں استعمال کرنے کیلئے انہیں بذات خود خرچ کرنا پڑے، اس کے بغیر ان کا استعمال ممکن نہ ہو، جیسے مختلف ممالک کی کرنسیاں ہیں کہ جب تک ان کو خرچ نہ کیا جائے ان سے فائدہ اٹھانا ممکن نہیں۔ اگر قرض کی شکل میں کوئی ایسی شئی دی جائے جو استعمال کے بعد باقی رہے تو اس کو اعارہ یا عاریہ کہا جاتا ہے۔ عاریہ میں بعینہٖ وہی شے واپس کرنا ضروری ہے۔

❁ ...... کرایہ پر دی گئی چیز کی افادیت کو برقرار رکھنا مالک کے فرائض میں شامل ہے جس کیلئے بعض اوقات اسے مزید اخراجات بھی کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے برعکس قرض کے مال کو برقرار رکھنے کیلئے مزید اخراجات کی ضرورت نہیں ہوتی۔

❁ ...... اجارہ میں چیز بدستور مالک کی ملکیت میں رہتی ہے اور طے شدہ مدت گذرنے کے بعد بعینہٖ وہی چیز واپس کرنا ضروری ہے، اور اگر دوران مدت اجارہ پر دی گئی چیز کا کوئی نقصان ہو جائے بشرطیکہ کرایہ دار کی غفلت یا غلط استعمال کی وجہ سے نہ ہوا ہو تو اس کا ذمہ دار مالک خود ہی ہوتا ہے، جبکہ قرض میں اتنی مدت کیلئے ملکیت بھی قرض گیر کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اس لئے وہ ہر حال میں اس کی واپسی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور بعینہٖ قرض دی گئی چیز لوٹانا لازمی نہیں ہوتا بلکہ اس کی مثل بھی واپس کی جا سکتی ہے۔

اجارہ قرآن وحدیث کے آئینے میں

اجارے کا جواز قرآن مجید، حدیث رسول ﷺ اور اجماع امت تینوں سے ثابت ہے۔ قرآن حکیم میں ہے کہ جب حضرت خضر علیہ السلام نے ایک جھکی ہوئی دیوار کو اجرت لیے بغیر سیدھا کر دیا تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

﴿لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا﴾ [الکہف ۷۷]

''اگر آپ چاہتے تو اس پر اجرت لے لیتے۔''

حضرت شعیب کی صاحبزادی نے اپنے والد سے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق عرض کیا:

﴿يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ﴾ [القصص ۲٦]

''اے ابا جان اس کو ملازم رکھ لیجیے، بے شک بہتر شخص جسے آپ ملازم رکھیں وہ ہے جو قوی اور امانت دار ہو۔''

مطلقہ کے بارے میں فرمایا:

﴿فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ﴾ [الطلاق ٦]

''پھر اگر وہ (وضع حمل کے بعد) تمھارے (بچے کو) دودھ پلائیں تو تم انہیں ان کی اجرت دو۔''

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

أعط الأجير أجره قبل أن يجف عرقه۔ [سنن ابن ماجه:باب اجر الاجراء]

''مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے قبل اس کی اجرت ادا کردو۔''

صحیح بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے واقعہ ہجرت کے ضمن میں مروی ہے:

اسْتَأْجَرَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم وَأَبُو بَكْرٍ رَجُلاً مِنْ بَنِي الدِّيلِ ثُمَّ مِنْ بَنِي عَبْدِ بْنِ عَدِيٍّ هَادِيًا خِرِّيتًا ۔ [صحيح البخاری ،كتاب الاجارة ،باب اذااستأجر أ جيرا ليعمل له بعد ثلاثة ايام]

''نبی اکرم ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قبیلہ بنو دیل کے ایک شخص (عبداللہ بن اریقط) کو جو راستوں کا ماہر تھا اجرت پر ساتھ لیا۔''

امام بخاری رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ أَعْطَى النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم خَيْبَرَ بِالشَّطْرِ ،فَكَانَ ذَلِكَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَبِي بَكْرٍ وَصَدْرًا مِنْ خِلاَفَةِ عُمَرَ۔ [صحيح بخاری : كتاب الاجارات،باباذا استأجر ارضافمات احدهما]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں: نبی ﷺ نے یہودیوں کو خیبر کی اراضی نصف پیداوار کے عوض اجارہ پر دی۔ یہ اجارہ عہد نبوی ﷺ کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیق کے زمانہ اور حضرت عمر کی خلافت کے ابتدائی دور میں بھی جاری رہا۔''

امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الْإِجَارَةُ بِكِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى وَبِالْأَخْبَارِ الثَّابِتَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتَّفَقَ عَلَى إجَازَتِهَا كُلُّ مَنْ نَحْفَظُ قَوْلَهُ مِنْ عُلَمَاءِ الْأُمَّةِ وَالْحَاجَةُ دَاعِيَةٌ إلَيْهَا لِأَنَّ أَكْثَرَ الْمَنَافِعِ بِالصَّنَائِعِ۔ [شرح منتهى الارادات باب الاجارة]

''اجارہ کتاب اللہ اور نبی ﷺ کی صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ اوراس کے جواز پر وہ تمام علمائے امت متفق ہیں جن کے اقوال ہمیں یاد ہیں ۔ علاوہ ازیں لوگوں کی حاجت و ضرورت بھی اس کے جواز کی متقاضی ہے کیونکہ اکثر فوائد مختلف پیشوں سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔''

اجارہ میں پنہاں حکمتیں:

اجارہ انسانوں کی بنیادی ضروریات کی فراہمی آسان بنانے کا اہم ذریعہ ہے کیونکہ بسا اوقات انسان کو کسی چیز کی اشد ضرورت ہوتی ہے لیکن وہ چیز اس کی قوت خرید سے باہر ہوتی ہے یا وہ خریدنے پر قادر تو ہوتا ہے مگر اس کی مالیت کے مقابلے میں فائدہ بہت کم ہوتا ہے اس وجہ سے انسان خریداری کی جگہ کرایہ داری کے معاملے کو ترجیح دیتا ہے ۔ یا بعض اوقات اس کے پاس کوئی ایسا اثاثہ یا جائیداد ہوتی ہے جس کی اسے فوری حاجت تو نہیں ہوتی لیکن مستقبل میں ضرورت پیش آنے کا امکان ہوتا ہے اس صورت میں بھی فروخت کی بجائے اجارہ کا معاملہ طے کرنا بہتر ہوتا ہے تا کہ اثاثہ اور جائیداد بھی ہاتھ سے نہ نکلے اور فائدہ بھی حاصل ہوتا رہے۔

اسی طرح دوسروں کی خدمات حاصل کرنا بھی انسانی معاشرہ کی بنیادی ضرورت ہے کیونکہ پروردگار عالم نے اس دنیا کا نظام اس طرح قائم کیا ہے کہ یہاں ہر شخص اپنی ضرورتیں پوری کرنے کے سلسلے میں دوسروں کی طرف رجوع کا محتاج ہے ۔ اس کرہ ارضی پر شاید ہی کوئی انسان ایسا ہو جسے اپنی زندگی میں کسی نہ کسی پہلو سے دوسروں کی خدمات حاصل کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی ہو ۔ قرآن مجید میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا

بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ [الزخرف:٣٢]

''ہم ہی نے دنیا کی زندگی میں ان کے درمیان ان کی معیشت تقسیم کر دی ہے اور بعض کو بعض پر درجات میں بلند رکھا ہے تا کہ یہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ اور تیرے رب کی رحمت اس سے بہتر ہے جو یہ سمیٹ رہے ہیں۔''

علاوہ ازیں اس میں یہ حکمت بھی پنہاں ہے کہ دنیا میں بیشتر افراد کا روزگار اجارہ ہی سے وابستہ ہے، اس پر پابندی کی وجہ سے بے روزگاری میں انتہائی تشویش ناک حد تک اضافہ ہو جاتا۔ یعنی ہماری معاشی سرگرمیوں میں اجارہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے جس کے بغیر دنیا کا نظام نہیں چل سکتا، لہذا اس کی اجازت اللہ تعالیٰ کی خاص کرم نوازی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کو جائز قرار نہ دیتے تو ہمیں قدم قدم پر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ [جاری ہے]



مولانا عزیز الرحمٰن یزدانی وفا پا گئے

مولانا حبیب الرحمٰن یزدانی شہید رحمہ اللہ کے بڑے بھائی مولانا عزیز الرحمٰن یزدانی مرحوم ۱۰ جنوری ۲۰۱۰ء بروز اتوار طویل علالت کے بعد وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم ایک نیک طینت اور صاحب علم شخصیت تھے۔ انہوں نے علامہ حبیب الرحمٰن یزدانی شہید رحمہ اللہ کی سوانح حیات بھی مرتب کر کے شائع کی تھی۔ اس کے علاوہ چھوٹے بڑے کتابچے بھی ترتیب دیے۔ وہ ایک طویل عرصے سے شوگر اور فالج جیسے مرض میں مبتلا تھے۔ احباب وقارئین الاعتصام ان کی مغفرت وبلندی درجات کے لیے دعا فرمائیں۔ [محمد سلیم چنیوٹی]

ضرورت مدرس

ایک کہنہ مشق قاری صاحب جو بچوں کو حفظ وناظرہ قرآن کی تعلیم دے سکے اپنے مکمل کوائف کے ساتھ رابطہ کریں۔

قاری محمد اکبر اسد، چونیاں ضلع قصور

فون نمبر: 0300-4347209

الحاج ماسٹر غلام قادر وفات پا گئے

مرکزی جامع مسجد طوبیٰ اہل حدیث 134/9.L ساہیوال کے امیر الحاج ماسٹر غلام قادر مختصر علالت کے بعد ۵ جنوری ۲۰۱۰ء بروز منگل داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ماسٹر غلام قادر درویش صفت، شب زندہ دار، علماء کے قدردان اور نہایت شریف انسان تھے۔ قارئین کرام مرحوم کی مغفرت وبلندی درجات کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ [قاری محمد حسن سلفی وارکین جماعت 134/9.L ساہیوال]

مولانا محمد ابراہیم خلیل منصور پوری وفات پا گئے

مولانا محمد ابراہیم خلیل منصور پوری (کوٹ رادھا کشن ضلع قصور) مؤرخہ ۱۵ جنوری ۲۰۱۰ء بروز جمعۃ المبارک رات حرکت قلب بند ہونے سے وفات پا گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم ایک درویش منش اور سادہ انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرنے والے اور اپنی ذات میں مگن رہنے والے تھے۔ دفتر الاعتصام میں ہمیشہ بڑی محبت اور شفقت سے تشریف لاتے اور ہنس مکھ اور طبع لطیف سے گفتگو کا آغاز کرتے تھے۔ اپنی بساط اور حیثیت کے مطابق الاعتصام کے ساتھ مالی تعاون بھی کرتے اور جماعت کے مرحومین علمائے کرام واہل علم کی وفات پر نجیدہ ہو کر ان کے بارے اظہار تعزیت کی خبر ضرور لگواتے تھے۔ گورنمنٹ اسلامیہ کالج سول لائن لاہور میں ''قاری'' کی اسامی پر تعینات تھے۔ کچھ عرصے سے علالت طبع کے باعث کمزوری کا غلبہ ہو گیا تھا۔ وفات سے چند روز قبل دفتر الاعتصام میں تشریف لائے تھے اور خوش طبعی کی باتیں کیں۔ جمعۃ المبارک کی رات ۸ بجے مولانا حکیم یحییٰ ڈاھروی صاحب نے فون پر مطلع کیا کہ آپ کے دوست مولانا منصور پوری رحلت فرما گئے ہیں۔ اللہ کریم سے دعا گو ہوں کہ وہ انہیں اپنے جوارِ رحمت (جنت الفردوس) میں داخل فرمائے اور دنیوی لغزشوں سے درگزر فرما کر ان کے درجات بلند فرمائے۔ اللہ کریم ان کے لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے۔ آمین یا رب العالمین۔ [محمد سلیم چنیوٹی]

سیر وسوانح

امام بخاری وصحیح بخاری ایک نظر میں

حافظ ریاض احمد عاقب

حدیث رسول امین ﷺ کے حفظ وضبط اور حفاظت وصیانت میں جن نفوس قدسیہ نے بے مثل ولازوال خدمات وکارنامے سرانجام دیے ہیں ان حضرات میں سید الفقہاء، امام المحدثین، حافظ الحدیث اور امیر المومنین فی الحدیث سیدنا امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ الباری سرفہرست ہیں۔ شیخ الاسلام امام محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیسابوری رحمہ اللہ (ف ۳۱۱ھ) نے فرمایا ہے:

" مَا رَأَيْتُ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ اَعْلَمَ بِالْحَدِيْثِ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِيْلَ الْبُخَارِيِّ ۔" [معرفة علوم الحديث للحاكم، ص: ٧٤]

''میں نے آسمان کے نیچے محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے زیادہ حدیث کو جاننے والا نہیں دیکھا۔''

امام المحدثین بخاری رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید امام مسلم بن حجاج قشیری نے آپ کے سر کا بوسہ لیا اور فرمایا:

" لَا يُبْغِضُكَ إِلَّا حَاسِدٌ وَاَشْهَدُ اَنَّ لَيْسَ فِي الدُّنْيَا مِثْلُكَ ۔" [هدى السارى، ص: ٤٨٨، الإرشاد از خليلى: ٣/٩٦١]

''آپ سے صرف وہی بغض رکھے گا جو حاسد ہوگا اور میں گواہی دیتا ہوں کہ دنیا میں آپ جیسا کوئی نہیں ہے۔''

امام بخاری کے ایک دوسرے شاگرد رشید امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" وَلَمْ اَرَ اَحَدًا بِالْعِرَاقِ وَلَا بِخُرَاسَانَ فِيْ مَعْنَى الْعِلَلِ وَالتَّارِيْخِ وَمَعْرِفَةِ الْاَسَانِيْدِ اَعْلَمَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيْلَ رَحِمَهُ اللّٰهُ ۔ " [كتاب العلل للترمذى، ص: ٣٢، وسير اعلام النبلاء: ١٢/٤٣٢]

''میں نے عراق اور خراسان میں علل (حدیث)، تاریخ اور اسانید کی پہچان میں محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں دیکھا۔''

علامہ ابراہیم بن عبداللطیف حنفی سندھی رحمہ اللہ نے برملا اقرار کیا ہے:

" اَلْبُخَارِيُّ إِمَامٌ مُجْتَهِدٌ بِرَأْسِهٖ كَاَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَمَالِكٍ وَاَحْمَدَ وَسُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ وَمُحَمَّدِ بْنِ الْحَسَنِ ۔" [مقدمة لامع الدرارى: ١/٦٨، ماتمس إليه الحاجة، ص: ٢٦]

''کہ امام بخاری رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد، امام سفیان ثوری اور امام محمد بن حسن شیبانی رحمہم اللہ کی طرح خود مجتہد تھے۔''

علامہ عبدالحئی لکھنوی حنفی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں:

" هُوَ الْإِمَامُ الْمُتَّفَقُ عَلٰى جَلَالَتِهِ الْمُجْمَعُ عَلٰى عَظْمَتِهٖ ۔" الخ [مقدمة شرح الوقاية، ص: ٣٩]

''شیخ الاسلام حافظ الحدیث محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ وہ امام ہے، جس کی جلالت وعظمت پر اتفاق واجماع ہے۔''

الغرض امام بخاری رحمہ اللہ حدیث، تفسیر، فقہ، علل حدیث، تاریخ، معرفت رواۃ ورجال، زہد وتقویٰ اور خوف وللّٰہیت میں یگانہ روزگار تھے۔ حدیث میں انہیں بلاشبہ وبلا ریب امام المحدثین، امیر المومنین فی الحدیث اور امام الدنیا کے القابات سے نوازا گیا ہے۔ اور فقہ واستنباط مسائل میں بھی انہیں سید الفقہاء، فقیہ ہذہ الامۃ اور افقہ خلق اللہ کے بلند

القابات سے یاد کیا گیا۔ [تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: ہدی الساری مقدمۃ فتح الباری،ص:۴۸۳]

امام بخاری رحمہ اللہ کی کتاب ''الجامع المسند الصحیح''، صحیح احادیث کا وہ مجموعہ ہے جسے امت مسلمہ کے جلیل القدر ائمہ نے بالاتفاق قرآن مقدس کے بعد ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کا درجہ دیا ہے۔

امام نسائی رحمہ اللہ (ف ۳۰۳ھ) نے فرمایا ہے:

" فَمَا فِیْ هٰذِهِ الْکُتُبِ کُلِّهَا اَجْوَدُ مِنْ کِتَابِ مُحَمَّدِ ابْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیِّ ۔" [ملاحظہ ہو: تاریخ بغداد: ۹/۲]

''ان تمام کتابوں میں محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی کتاب صحیح بخاری سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔''

امام دارقطنی رحمہ اللہ (ف ۳۸۵ھ) لکھتے ہیں:

" وَمَعَ هٰذَا فَمَا فِیْ هٰذِهِ الْکُتُبِ خَیْرًا وَاَفْضَلَ مِنْ کِتَابِ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ الْبُخَارِیِّ ۔" [اطراف الغرائب والافراد للمقدسی: ۱/ ۲۰]

''اوراس کے باوجود ان کتابوں میں محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کی کتاب سے بہتر اور افضل کوئی نہیں ہے۔''

علامہ عینی حنفی رقم طراز ہیں:

" اِتَّفَقَ عُلَمَآءُ الشَّرْقِ وَالْغَرْبِ عَلٰی اَنَّهٗ لَیْسَ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰی اَصَحُّ مِنْ صَحِیْحَیِ الْبُخَارِیِّ وَمُسْلِمٍ ۔ ......" [عمدة القاری:۱/۵]

''مشرق ومغرب کے علمائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مقدس) کے بعد صحیح بخاری وصحیح مسلم سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں ہے۔''

ملاعلی قاری حنفی رحمہ اللہ خامہ پرداز ہیں:

" ثُمَّ اتَّفَقَتِ الْعُلَمَآءُ عَلٰی تَلَقِّی الصَّحِیْحَیْنِ بِالْقُبُوْلِ وَاِنَّهُمَا اَصَحُّ الْکُتُبِ الْمُؤَلَّفَةِ ۔" [مرقاة المفاتیح: ۵۸/۱]

''پھر (تمام) علمائے عظام کا اس پر اتفاق ہے کہ صحیحین (صحیح بخاری وصحیح مسلم) کو تلقی بالقبول حاصل ہے اور یہ دونوں کتابیں (باقی) تالیف کردہ کتب سے صحیح ترین ہیں۔''

قاضی محمد عبدالرحمٰن محلاوی حنفی لکھتے ہیں:

" وَمِنْ هٰذَا الْقِسْمِ اَحَادِیْثُ صَحِیْحِ الْبُخَارِیِّ وَمُسْلِمٍ فَاِنَّ الْاُمَّةَ تَلَقَّتْ مَا فِیْهِمَا بِالْقُبُوْلِ ۔"

[تسهیل الوصول إلی علم الوصول، ص:۱۴۵]

''اوراسی قسم سے صحیح بخاری ومسلم کی احادیث ہیں کیوں کہ ان دونوں میں (جو بھی احادیث ہیں) ان کو امت مسلمہ نے شرفِ قبولیت سے نوازا ہے۔''

مولانا احمد علی سہارن پوری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

" وَاتَّفَقَ الْعُلَمَآءُ عَلٰی اَنَّ اَصَحَّ الْکُتُبِ الْمُصَنَّفَةِ صَحِیْحَا الْبُخَارِیِّ وَمُسْلِمٍ وَاتَّفَقَ الْجُمْهُوْرُ عَلٰی اَنَّ صَحِیْحَ الْبُخَارِیِّ اَصَحُّهُمَا صَحِیْحًا وَاَکْثَرُهُمَا فَوَائِدًا ۔" [مقدمہ صحیح البخاری: ۱/ ۴ درسی نسخہ]

''اور علمائے کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ لکھی ہوئی کتب میں سے سب سے زیادہ صحیح کتاب صحیح بخاری ومسلم ہے اور جمہور کا اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ بخاری ومسلم میں سے سب سے زیادہ صحیح صحیح بخاری ہے اوراس میں فوائد بھی زیادہ ہیں۔''

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کا فیصلہ:

" اَمَّا الصَّحِیْحَانِ فَقَدْ اتَّفَقَ الْمُحَدِّثُوْنَ عَلٰی أَنَّ جَمِیْعَ مَا فِیْهِمَا مِنَ الْمُتَّصِلِ الْمَرْفُوْعِ صَحِیْحٌ بِالْقَطْعِ وَاَنَّهُمَا مُتَوَاتِرَانِ إِلٰی مُصَنِّفَیْهِمَا وَأَنَّهٗ کُلُّ مَنْ یُهَوِّنَ أَمْرَهُمَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ مُتَّبِعٌ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۔" [حجة الله البالغة: ۱/ ۱۳۴]

''صحیح بخاری وصحیح مسلم کے بارے تمام محدثین عظام نے اتفاق کیا ہے کہ ان میں تمام کی تمام متصل اور مرفوع احادیث قطعی

ویقینی طور پر صحیح ہیں اور یہ دونوں کتابیں اپنے مصنّفین تک متواتر ہیں جو کوئی ان کی اہمیت کم کرتا ہے وہ بدعتی ہے اور مومنین کے طریقہ کے علاوہ پر گامزن ہے۔''

صحیح بخاری کی اصحیت وقطعیت کے لیے میں انہی مذکورہ اقوال پر اکتفا کرتا ہوں جن سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ امت محمدیہ کے تمام علمائے کرام وفضلائے عظام نے صحیح بخاری کو قرآنِ حکیم کے بعد اصح الکتب قرار دیا ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تاریخ عالم کی ورق گردانی سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحیح بخاری کے صحیح ترین مجموعہ حدیث پر بعض منکرین حدیث اور ناقدین حضرات نے بلا جواز عمل جراحی کا شوق پورا کرنے کے لیے احادیث صحیحہ کو مجروح ومخدوش قرار دینے اور ذخیرۂ احادیث میں تشکیک وتردد پیدا کرنے کی ناپاک جسارت کی ہے۔

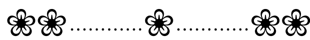
اس دسیسہ کاری وعمل جراحی میں متقدمین منکرین حدیث میں خوارج، روافض، معتزلہ اور مبتدعین حضرات پیش پیش تھے۔ اور متاخرین منکرین حدیث اور ناقدین حضرات میں یورپ کے غیر مسلم سکالرز ومستشرقین سرگرداں ہیں۔ اور انہی مستشرقین کی معنوی ذریت میں برصغیر پاک وہند کے چند سرپھرے منکرین حدیث وناقدین حدیث میں مولوی عبداللہ چکڑالوی، چراغ علی، مستری رمضان، اسلم جیراج پوری، حبیب الرحمٰن کاندلوی، حبیب الرحمٰن ڈیروی، تمنا عمادی، برق جیلانی، ڈاکٹر شبیر احمد، عبدالعزیز خالد، ڈاکٹر عمر کریم، محمد ہادی تور ڈھیروی، عبدالغنی طارق لدھیانوی، عزیز اللہ بوھیو سندھی اور احمد سعید چتروڑگڑھی وغیرہم نے احادیث صحیحہ پر اپنے حسد وعناد کی وجہ سے بے جا حرف گیری اور زبان درازی کا مظاہرہ کیا۔

فتنہ انکارِ حدیث نے جب سر اٹھایا تو الحمد للہ علمائے اہل حدیث نے مردانہ وار اس فتنہ کی سرکوبی کی۔ ان علمائے کرام وفضلائے عظام نے دسیسہ کاروں کی دسیسہ کاری، زبان درازوں کی زبان درازی کا مسکت اور دندان شکن جواب دیا۔ ان اربابِ صدق ووفا، اصحابِ علم وفضل، اربابِ حق وصلاح اور اہل حق وثبات نے متشککین ومعترضین کے ایک ایک اعتراض کو طشت از بام کیا اور حدیث رسول ﷺ کے متعلق استخفاف واستحقار اور شکوک وشبہات کا قلع قمع کیا۔ ان علمائے حق نے منکرین حدیث اور ناقدین وملحدین حضرات کا گرمجوشی سے تعاقب کیا۔

ماضی میں جن عالی ہمت بزرگانِ دین اور نیازمندانِ حق نے منکرین حدیث خصوصاً ناقدین صحیح بخاری کا علمی وتحقیقی محاسبہ کیا، ان کی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ان عالی شان علمائے کرام میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا نواب صدیق حسن خاں، مولانا شمس الحق ڈیانوی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا بشیر سہسوانی، مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی، مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی، مولانا ابوسعید شرف الدین دہلوی، مولانا عبداللہ روپڑی، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا سلطان محمود جلال پوری، مولانا عبدالحق ریاستی مہاجر مکی، مولانا فیض الرحمٰن ثوری، مولانا اسماعیل سلفی، مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانی، مولانا حافظ محمد گوندلوی، مولانا عبدالتواب محدث ملتانی، مولانا عبدالحق محدث ملتانی، مولانا عبدالرحمٰن کیلانی، مولانا پیر بدیع الدین شاہ راشدی سندھی، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری، مولانا عبیداللہ رحمانی اور مولانا یحییٰ گوندلوی رحمہم اللہ وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔

اور حال میں مولانا حافظ عبدالرشید اظہر، استاذی محترم مولانا ارشاد الحق اثری، استاذی مولانا عبدالمنان نورپوری، استاذی حافظ ثناء اللہ خاں مدنی، استاذی مولانا عبدالعزیز علوی، استاذی مولانا محمد رفیق اثری، استاذی حافظ مسعود عالم، استاذی حافظ محمد شریف، استاذی مولانا محمد بن عبداللہ شجاع آبادی، مولانا حافظ زبیر علی زئی، مولانا الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی، مولانا محمد حسین میمن حفظہم اللہ اجمعین وغیرہم، اس اہم فریضہ کو احسن انداز سے سرانجام دے رہے ہیں۔

مولائے کریم ان کے علم وعمل میں برکت عطا کرے اور ان کی زندگی دراز فرمائے۔



تزکیہ وتربیت

سال نو اور محاسبۂ نفس

محمد عبدالرزاق ساجد (لیکچرر گورنمنٹ ملت ڈگری کالج فیصل آباد)

ارشادِ نبوی ہے:

اَلْقَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ ۔

''عقل مند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرلے۔''

ہماری زندگی کا ایک اور سال ہمیں داغ مفارقت دے رہا ہے۔ بظاہر ہم ایک سال بڑے ہو گئے ہیں لیکن درحقیقت ہماری زندگی کا ایک اور سال ۱۲ ماہ اور ۳۶۰ دنوں کے ساتھ کم ہو چکا ہے۔ اور ہم موت کے مزید قریب ہو چکے ہیں۔ یوم حساب وکتاب روز آخرت اور جزا وسزا کا دن قریب تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مگر ہم اپنے محاسبے کو تیار نہیں اور شب وروز اپنی روایتی غفلتوں کی نظر کرتے جا رہے ہیں۔ قرآنِ مجید اس حقیقت کو یوں بیان کرتا ہے:

﴿اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَ هُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ﴾

[الانبیاء: ۱]

آئیں! خواب غفلت سے خود کو جگائیں اور یوم احتساب سے قبل اپنا محاسبہ خود کرلیں۔

حاسبوا قبل ان تحاسبوا کا جملہ ہمیں آج بھی دعوت فکر دے رہا ہے کہ آئیں اپنا محاسبہ کریں!

①...... ایمانیات کا محاسبہ: ایک مسلمان ملک کے مسلمان باسی ہونے کے ناطے ہماری سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم اپنی ایمانیات کا جائزہ لیں۔ ہمیں اللہ ربّ العزت کے ساتھ اپنے تعلق اور قوتِ ایمانی کا محاسبہ کرنا ہوگا۔ ان تومن بالله کے تحت سال بھر میں اس کے اندر بہتری اور کمال پیدا ہوا یا پھر وہ ضعف وزوال کا شکار ہو گئے؟

②...... ملائکتہ کے تحت ہمیں اس بات کا جائزہ لینا ہوگا کہ باعتبار مومن ملائکہ اور فرشتوں کی بابت ہماری ایمانی حالت کیا رہی ہے؟ وحی کے بارے میں ہمارا رویہ کیسا رہا؟ کراماً کاتبین کا ہم نے کتنا لحاظ رکھا؟ اور ملک الموت کے استقبال کی کس قدر تیاری کی؟

③...... وکتبہ کے تحت آسمانی کتب کے ساتھ بالعموم اور آخری کتابِ ہدایت قرآنِ مجید کے ساتھ بالخصوص ہمارے ایمانی وروحانی تعلق کی حالت کیا رہی؟

④...... ورسلہ کے تحت انبیائے کرام علیہم السلام اور بالخصوص نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ پر ایمان، عقیدۂ ختم نبوت، اور مقام رسالت مآب کے حوالے سے ہماری وابستگی کیا رہی؟

⑤...... والیوم الآخر کے تحت آخرت کے لیے ہم نے سال بھر کیا تیاری کی؟ ولتنظر نفس ما قدمت لغد کے پیش نظر ہم نے اپنی کل کی زندگی کے لیے کیا کچھ تیار کیا؟

⑥...... والقدر خیرہ وشرہ کے تحت ہم نے تقدیر اور قادر مطلق کو مورد الزام ٹھہرایا یا اس پر پختہ یقین اور ایمان کے ساتھ وابستہ رہے؟

⑦...... کلمے کا محاسبہ: ہم ایسے ملک کے باشندے ہیں جس کی بنیاد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر رکھی گئی ہے۔ ایک نظریاتی مملکت کے نظریاتی شہری ہونے کے ناطے ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم نے اپنے کلمے کی لاج کس حد تک رکھی؟ اور سال بھر اسے کس حد تک نبھایا؟

اسلامی اقدار اور محاسبہ نفس:

ہر فرد کو چاہیے کہ وہ اس بات کا بھی جائزہ لے کہ اس نے مسلمان ہونے کے ناطے اسلام اور اسلامی قدروں کو کس حد تک سال بھر زینت بخشی۔

⑧.....حقوق اللہ: ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے کہ ہم نے اپنی عملی زندگی میں اللہ ربّ العزت کو اپنا خالق و مالک اور معبود والہ مانا؟

اسے حاجت روا، مشکل کشا، لجپال، غوث اعظم، داتا، دستگیر، گنج بخش اور بگڑی بنانے والا سمجھا؟

کیا ہم نے ﴿ وما قدروا الله حق قدره ﴾ کے ربانی شکوے کو سال میں کبھی دور کرنے کے بارے میں سوچا۔

حقوق مصطفیٰ ﷺ اور محاسبہ نفس:

کیا ہم نے آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی امتی ہونے کا سال بھر عملی ثبوت دیا؟

کیا ہم آمنـــا کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے دل وجان سے آپ پر ایمان لائے؟

اور وصدقنا کے تحت ہم نے آپ کے ہر قول وفعل اور اسوہ وعمل کی گفتار و کردار سے تصدیق کی؟

آپ ﷺ کی احادیث اور سنتوں کو لائق اعتنا سمجھا؟ ان پر عمل پیرا ہوئے؟

اور سمعنا کی صفت کو اپناتے ہوئے ہم نے آپ کی تعلیمات وہدایات پر کان دھرے؟ یا سال بھر سنی ان سنی کرتے رہے؟

واطعنا کے پیش نظر ۳۶۰ بیتے ہوئے ایام میں کتنے دن ہمارے اندر تسلیم ورضا اور اطاعت وفرماں برداری کا جذبہ پورے یقین، وثوق اور ایمان واتقان کے ساتھ موجزن رہا؟

نماز اور محاسبہ نفس:

ہر مرد وعورت کو اس بات کا بھی جائزہ لینا چاہیے کہ پورا سال واقیموا الصلاۃ کے حکم کو مانتے ہوئے کیا نماز پنجگانہ کا اہتمام باقاعدگی سے کیا گیا یا نہیں؟

حی علی الصلاۃ کی آواز نے سال میں کتنی بار ہمارے قدموں کا رخ مسجد کی طرف پھیرا؟

الصلاۃ خیر من النوم کے جملے نے کتنی مرتبہ ہمیں اپنے نرم وگرم بستر سے الگ کر کے چٹائی اور مصلے پر لا کھڑا کیا؟

وجعلت قرة عيني في الصلاة اسوۂ نبوی کے مطابق کیا ہم نے کبھی نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا؟

اوران اوّل ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلاة کے تحت روزِ قیامت سے قبل اپنی نمازوں کا حساب کتاب لگایا؟

پورا سال کبھی صل صلاۃ مودّع کا نقشہ کھینچتے ہوئے اس طرح خشوع وخضوع اور عاجزی وانکساری سے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا کہ وہ ہماری زندگی کی آخری اور الوداعی نماز محسوس ہوئی ہو؟

واقيموا الصلاة ولا تكونوا من المشركين کے تحت سال بھر کتنی مرتبہ تارک نماز بن کر مرتکب کفر وشرک ہوئے!

زکوٰۃ اور محاسبہ نفس:

وآتوا الزكوة کے حکم کو مانتے ہوئے کیا ہم نے اپنے مال کا مکمل اور صحیح حساب وکتاب رکھا؟

اور نصاب کے مطابق اس کی پوری پوری زکوٰۃ ادا کی؟ یا پھر حیلوں بہانوں کی نظر کر دیا؟

روزہ اور محاسبہ نفس:

ہر مسلمان کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیے کہ اس نے رمضان المبارک کے سالانہ فرض روزوں کو پورا نبھایا۔

علاوہ ازیں اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے شوال کے چھ روزوں، نصف الشہر کے تین، ہر سوموار وجمعرات، یوم عاشوراء اور یوم عرفہ کے نفلی روزوں کا دل وجان سے کبھی اہتمام کیا؟

حج اور محاسبہ نفس:

ہمیں اس بات کا بھی احتساب کرنا ہے کہ مالی وبدنی استطاعت کے باوجود ہم نے ﴿ واتموا الحج والعمرة لله ﴾ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے حج وعمرہ کیا؟

کیا ہم نے اپنے حج کو حج مبرور بنانے کی سرتوڑ کوشش کی؟

کیا حج ہماری سابقہ زندگی اور موجودہ زندگی میں کوئی فرق پیدا کر سکا؟

کیا حج ہمیں ہمارے گناہوں سے پاک وصاف کر سکا، اور ہم

نے نئے سرے سے پاک صاف زندگی گزارنے کا عزم مصمم کیا؟ اور اس پر کس حد تک قائم ہیں؟

کلمۃ اللہ کی سربلندی اور محاسبہ نفس:

ہمیں یہ بھی احتساب کرنا ہے کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہم نے کیا کردار ادا کیا؟

اور ﴿ وجاهدوا فی الله حق جهاده ﴾ کے تحت دامے درمے وسخنے حق جہاد ادا کیا؟

کیا ہم صرف گفتار کے غازی رہے، یا عملاً من حیث القوم اس کے لیے کچھ کیا؟

دنیا کی پانچ غنیمتیں اور محاسبہ نفس:

ہمیں اس بات کا بھی محاسبہ کرنا ہے کہ کیا ہم نے موت سے قبل زندگی کو غنیمت جانا؟

کیا سال بھر ہم نے بیماری اور مرض سے قبل صحت وتندرستی کو غنیمت سمجھا؟

کیا ہم نے تنگ دستی سے پہلے فراخی کو غنیمت جانا؟

کیا ہم نے مصروفیت سے قبل کبھی فراغت کو غنیمت سمجھا؟

کیا ہم نے بڑھاپے سے قبل اپنی جوانی کو غنیمت جانتے ہوئے اس سے کما حقہ فائدہ اٹھایا؟

آخرت کے پانچ سوالات اور محاسبہ نفس:

ہمیں اپنی اس دنیا میں رہتے ہوئے اس بات کا بھی جائزہ لینا ہوگا کہ ہم نے سال بھر آخرت میں پوچھے جانے والے ان سوالات کی کیا تیاری کی کہ جن کے جواب کے بغیر لا تزول قدما ابن آدم ابن آدم کے قدموں کو ہلنے نہیں دیا جائے گا۔

عن عمره فیما افناه ۔

''ہم نے اپنی عمر کا یہ پورا سال کہاں فنا کیا؟''

وعن شبابه فیما ابلاه ۔

''ہم سال بھر اپنی جوانیاں کہاں برباد کرتے رہے؟''

وعن ماله من این اکتسبه ۔

''ہم نے سال بھر کن ذرائع سے کمایا؟ وہ حلال تھے یا حرام؟''

وفیم انفقه ۔

''اور پورا سال اپنی کمائی کو کہاں خرچ کرتے رہے؟''

وما ذا عمل فیما علم ۔

''اور اپنے علم کے مطابق عمل کتنا کیا؟ یا سارا سال بے عملی کا شکار رہے۔''

مقاصد شریعت اور محاسبہ نفس:

ہمیں اس بات کا بھی احتساب کرنا ہے کہ

تحفظ دین: ہم نے تحفظ دین حنیف میں بطور عالم، معلم اور متعلّم کیا کردار ادا کیا؟

تحفظ جان: ہم نے لوگوں کی جانوں کو تحفظ بخشا، یا پھر مار دھاڑ، ظلم وتعدی، جور وعدوان اور قتل وغارت کی راہیں اپنائیں؟

تحفظ مال: کیا ہم نے شخصی، انفرادی، قومی وملّی مال ودولت اور ملکی اثاثہ جات کو تحفظ فراہم کیا؟ یا پھر ہم نے چوری، ڈاکے، فراڈ، رشوت خوری، سودخوری، حرام خوری، ذخیرہ اندوزی، ملاوٹ اور دیگر ہتھکنڈوں کو استعمال کرتے ہوئے دونوں ہاتھوں سے ملک وملت کو لوٹا؟

تحفظ نسل: کیا ہم نے اپنی نئی پود، نئی نسل کو تحفظ دینے اور با سلامت بڑھانے میں دن رات صرف کیے؟ یا پھر فلاح وبہبود کے نام پر اپنی اور مسلمانوں کی نسل کشی کی منصوبہ بندیاں کرنے میں پورا سال گزار دیا؟

تحفظ عقل: کیا ہم نے انسانی عقل کو بلندیوں سے ہمکنار کرنے کے لیے اسے تحفظ فراہم کیا؟ یا پھر اسے ذلت ورسوائیوں کی گہری کھائیوں میں ڈالنے کے لیے وہسکی، شراب، وائن، اور دیگر نشہ آور ادویات ومنشیات کا رسیا بنانے کے لیے دلالی وسوداگری کا کردار ادا کیا؟

تحفظ عزت وآبرو: لوگوں کی عزت وآبرو اور خواتین کی عفت وعصمت کے تحفظ کے لیے ہمارا کردار کیسا رہا؟

ہم نے چادراور چار دیواری کو وقار بخشایا اسے تار تار کیا؟
عورت اور پردے کو تحفظ مہیا کیایا اسے برسر بازار ذلیل ورسوا کیا؟
عورت کو عزت کی علامت بنایا؟ یا پھر اسے سر عام گاتے، ناچتے، تھرکتے، بے حیائی، فحاشی وعیاشی اور فحبہ گری وزنا کے لیے سامان تعیش بناڈالا؟

حسن معاشرت اور محاسبہ نفس:

ہمیں اس بات کا شدت سے محاسبہ کرنا چاہیے کہ
کیا ہم نے خود کو معاشرے کا بہترین فرد بنایا؟
کیا ہم باپ، بیٹا، بھائی، شوہر، سسر، ماں، بیٹی، بہن، بیوی، بہو اور ساس جیسے باہمی رشتوں کو نبھانے میں مثالی کردار ادا کر سکے؟
کیا ہم اپنے محکمے، ادارے اور انسٹی ٹیوٹ میں بہترین آفیسر، عمدہ نگران، ماہر ایڈمنسٹریٹر، بہترین ناظم، زبردست مدیر، باکمال مربی اور مثالی استاد و معلم کا مقام حاصل کر سکے؟
بطور وکیل ہم نے حق کی وکالت کی؟ یا پھر حق و باطل کے امتیاز کے بغیر مطمع نظر مال و زر رہا؟
کیا ہم نے عہدے، رتبے، کرسی، قانون اور قلم کا صحیح حق ادا کیا؟
کیا ہم نے بطور جج لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدھا کے تحت میرٹ پر فیصلے کرتے ہوئے عدالت کو اعزاز و وقار سے ہم کنار کیا؟ یا رشوت وسفارش کے کلچر سے اسے داغ دار بنایا؟
بطور حکمران ہم اپنی قومی مسئولیت، ملی ذمہ داریوں، ملک وملت کی سر بلندی، بقا و وقار اور عوام ورعایا کی بنیادی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے کس حد تک مخلص اور کوشاں رہے؟
ہم نے حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق انسانی، حقوق رجال، حقوق نسواں، حقوق مسلمانان، حقوق اقلیت، حقوق دین ودنیا، حقوق والدین، حقوق اولاد، حقوق زوجین، حقوق جیران اور حقوق معلم ومتعلم، حقوق آقا وغلام، غریبوں، یتیموں، مسکینوں، فقیروں، ناداروں اور بیواؤں کے حقوق کی کس حد تک پاسبانی کی؟ یا پورا سال ان کے حقوق کی پامالی میں گزر گیا؟

اطاعت واتباع اور محاسبہ نفس:

ہمیں دل وجان سے اس بات کا محاسبہ کرنا ہوگا کہ ہم نے ﴿اطیعوا الله واطیعوا الرسول﴾ کے حکم کی کس قدر پاسداری کی؟
﴿ وما آتاکم الرسول فخذوہ ﴾ کی کس قدر تعمیل کی اور ﴿فما نھکم عنه فانتھوا ﴾ سے کس قدر اجتناب برتا؟
اتباع رسول کو اپنی عملی زندگی میں کس قدر داخل کیا؟ اور آپ کی نافرمانی سے کس قدر کنارہ کشی اختیار کی؟
کتاب وسنت سے کس قدر رہنمائی حاصل کی؟ انہیں مشعل راہ بنایا؟ انہیں دستور زندگی اور منشور بندگی بنایا؟
رسوم ورواج اور بدعات وخرافات سے کس قدر کنارہ کشی اختیار کی؟
کبیرہ وصغیرہ گناہ اور ترک معاصی کی طرف کتنی توجہ دی؟
اپنی صورت وسیرت؟ معاش ومعیشت، تجارت وصناعت، لین دین، تعلقات ومعاملات اور زندگی کے لیل ونہار کو کس حد تک اطاعت واتباع کے اسلامی سانچے میں ڈھالنے میں کس قدر کامیاب رہے؟

موت، قبر اور محاسبہ نفس:

علاوہ ازیں ہمیں اس بات کا بھی محاسبہ کرنا ہوگا کہ ہم نے اپنے خاندان اور آل اولاد میں کتنے افراد کو تیار کیا جو سنت کے مطابق بوقت وفات ہمیں تلقین کلمہ کر سکیں۔
سنت کے مطابق ہمارے غسل، کفن، جنازہ اور تدفین کا اہتمام کر سکیں۔
ہماری وفات پر صف ماتم بچھانے کی بجائے صبر کا دامن تھامے رہیں۔
ہمیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ سال بھر ہم نے سکرات الموت کے لمحات کے لیے کیا تیار کیا؟
قبر میں من ربك؟ من نبیك؟ اور مادینك؟ جیسے پیش آنے والے سوالات کا کیا عملی جواب تیار کیا؟
القبر اوّل منازل الآخرہ آخرت کی پہلی منزل قبر کی پہلی رات کو بھول گئے؟ یا اس کے لیے کچھ تیار کر پائے؟
ہم نے اسے حفرۃ من حفر النار جہنم کا گڑھا بنایا؟ یا اسے روضة من ریاض الجنة جنت کا باغیچہ بنانے میں کامیاب ہو گئے۔



تبصرۂ کتب

تبصرے کے لیے دو کتب کا آنا ضروری ہے

ماہ نامہ رشد لاہور کا قرأت نمبر (حصہ دوم)

سرپرست: حافظ عبدالرحمٰن مدنی

صفحات: ۹۳۶

قیمت: ۳۰۰ روپے

پیش کش: کلیۃ القرآن الکریم والعلوم الاسلامیہ

رابطہ دفتر: ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

ماہ نامہ رشد کے قرأت نمبر کا حصہ دوم (ستمبر ۲۰۰۹ء) پیش نظر ہے۔ یہ حصہ بھی حصہ اوّل ہی کی طرح قرأت کے بارے میں معلومات کا بیش بہا خزانہ ہے۔ اس حصہ کا اداریہ محترم محمد عطاء اللہ صدیقی کا تحریر کردہ ہے جو صاحب طرز ادیب ہیں۔

اس حصہ میں چودہ جامع عنوانات کے تحت ۵۲ مضامین شامل کیے گئے ہیں جو وسیع مطالعہ کا نچوڑ ہیں۔ جامع عنوانات حسب ذیل ہیں:

حدیث وسنت، حجیت قرأت، فتاویٰ جات، تاریخ قرأت، حدیث سبع احرف، مباحث قرأت، اعجاز قرآنی، تحقیق وتنقید، انکار قرأت، علوم القرآن، متفرقات، انٹرویوز، کتابیات اور سیر وسوانح۔

ان جامع عنوانات میں سے ہر ایک کے تحت متعدد مضامین ہیں۔ ان میں عربی مضامین کے تراجم بھی شامل ہیں۔ شیخ الحدیث حافظ ثناء اللہ مدنی ﷾ کا مضمون ''قرأت متواترہ کی حجیت'' مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ؒ کا مضمون ''قرآنِ مجید میں قرأتوں کا اختلاف'' جیسے وقیع مضامین اور قرأت متواترہ کا انکار کرنے والوں کا مدلل اور مسکت جواب ہے۔

فن قرأت کے مختلف پہلوؤں پر لکھے گئے اور بھی بہت سے مضامین شامل اشاعت ہیں۔

قرأت متواترہ کا ثبوت اور اس کے منکر کا حکم (مولانا مبشر احمد ربانی)، قرأت متواترہ، سبعہ وعشرہ (قاری صہیب احمد میر محمدی)، متنوع قرأت کا ثبوت مصاحف عثمانیہ کی روشنی میں (قاری نجم الصبیح تھانوی)، سبع احرف سے کیا مراد ہے؟ (ڈاکٹر ابومجاہد عبدالعزیز قاری)، حدیث سبع احرف کا مفہوم (قاری محمد ادریس العاصم)، تعارف علم القرأت (ڈاکٹر حافظ حمزہ مدنی)، احکام فقہ میں قرأت قرآنی کے اثرات (ڈاکٹر نبیل بن محمد ابراہیم)۔ اس کے چند اہم موضوعات ہیں۔

اس کے علاوہ شیخ القراء محمد ادریس العاصم اور حافظ عبدالرحمٰن مدنی کے انٹرویوز بھی شامل ہیں۔ سابقہ ادوار میں لکھی گئی کتب قرأت کا جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ فقہائے احناف، فقہائے مالکیہ، فقہائے شافعیہ اور فقہائے حنبلیہ کے قراء کرام کے طبقات اور ان کے اسمائے گرامی بھی دیئے گئے ہیں۔

سیر وسوانح کے عنوان کے تحت امام ابوالقاسم شاطبی ؒ اور علامہ علی محمد الضباح کے حالات زندگی دیئے گئے ہیں۔ یہ رسالہ رنگارنگ مضامین کا ایک عمدہ اور خوب صورت گلدستہ ہے۔ ہر لائبریری کی لازماً زینت بننا چاہیے۔

مقالات تربیت

جمع وترتیب: محمد منیر اظہر

ناشر: دارالتربیۃ للنشر والتالیف۔ فیصل آباد

صفحات: ۲۸۲

قیمت: درج نہیں

تبصرہ نگار: ملک عصمت اللہ قلعوی

زیر تبصرہ کتاب ان سات تقاریر ومقالات کا مجموعہ ہے جو ۲۰، ۲۱ مارچ ۲۰۰۴ء کو دارالتربیۃ الاسلامیہ میں کی گئیں یا پڑھے گئے۔

وقت کے ساتھ ساتھ علماء کے قبض سے علم اٹھتا جا رہا ہے۔ جو علمی رسوخ اور صلاحیتیں اسلاف میں تھیں یا جو علمی کارنامے انہوں نے سرانجام دیئے آج ان کا عشر عشیر بھی نظر نہیں آتا۔ اس کا سبب کیا ہے؟ ہمارے مدارس

طلباء کو قرآن وحدیث کی تعلیم تو دے دیتے ہیں لیکن ان کو اس تعلیم کے سانچے میں نہیں ڈھالتے۔اسی تربیتی فقدان سے ان کی صلاحیتوں کو زنگ لگ گیا ہے اور ان کی ہمتیں کوتاہ ہوگئی ہیں۔اسی کمی کو محسوس کرتے ہوئے چند اہل علم ونظر نے ایک ادارہ قائم کیا جو طلباء کی تربیت کا فریضہ سرانجام دے۔

اس تربیتی مقصد کے پیش نظر ان مقالات کو جمع وترتیب دے کر شائع کیا گیا ہے۔اس کا پیش لفظ حافظ مسعود عالم ﷾ کا تحریر کردہ ہے۔ کتاب کے آغاز میں مقالہ نگار حضرات کا تعارف بھی شامل کیا گیا ہے۔ ان مقالات کے عناوین اور مقالہ نگار حضرات کے اسمائے گرامی ذیل میں دیئے جار ہے ہیں۔

پہلی تقریر حافظ محمد یحییٰ عزیز میر محمدی ؒ کی ہے اور اس کا عنوان ہے:''دعوت کی اہمیت اور داعی کی صفات''

دوسرا مقالہ''عقیدہ، فقہ اور سیاست میں محدثین کا منہج'' ہے جو حافظ عبدالرشید اظہر کا تحریر کردہ ہے۔یہ ۱۶۵ صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

تیسرا مقالہ''فرق امت اور اہل حدیث کا منہج''مولانا ارشاد الحق اثری ﷾ کا ہے۔

چوتھا مقالہ حافظ مسعود عالم ﷾ کا ہے اور اس کا عنوان ہے: ''گروہ بندی اور تنظیم سازی میں اہل حدیث کا موقف''

پانچواں مقالہ''علوم نبوت کے طلباء کی ذمہ داریاں''۔ یہ پروفیسر عبدالجبار شاکر مرحوم کی کاوش ہے۔

چھٹا مقالہ حافظ محمد شریف صاحب کے فکر کا نتیجہ ہے اور اس کا عنوان ہے:''تربیت اور اس کے اہم طریقے''

ساتواں مقالہ بعنوان''عالم اسلام ذلت وپستی کا شکار کیوں؟'' جناب پروفیسر نجیب اللہ طارق کا ہے۔

ان عناوین سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب کن کن پہلوؤں سے تربیت کا سامان اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ یہ کتاب تمام مدارس اسلامیہ کے طلباء کی اہم ضرورت ہے۔ ہم تمام مدارس اسلامیہ کے منتظمین سے درخواست کرتے ہیں کہ یہ کتاب اپنے طلباء کو ضرور پڑھائیں تاکہ ان کے اندر تربیتی شعور اجاگر ہو سکے۔

سفید کاغذ، عمدہ طباعت، مضبوط جلد اور خوب صورت ٹائٹل اس کی اضافی خوبیاں ہیں۔

مابین سلفی مدارس

آل کراچی تقریری مقابلہ 2010ء

مہمان خصوصی
محترم جناب
مولانا میاں محمد جمیل صاحب
کنوینر تحریک دعوت توحید پاکستان

خصوصی خطاب
فضیلۃ الشیخ
مفتی محمد یوسف قصوری صاحب
کراچی

زیر صدارت
فضیلۃ الشیخ
حافظ ضیاء الرحمٰن مدنی صاحب
وکیل جامعہ ابی بکر الاسلامیہ

فضیلۃ الشیخ
پروفیسر محمد ابراہیم بھٹی صاحب
کراچی

فضیلۃ الشیخ
مفتی خلیل الرحمٰن لکھوی صاحب
مدیر معہد القرآن الکریم

فضیلۃ الشیخ
حافظ محمد سلفی صاحب
مدیر جامعہ ستاریہ الاسلامیہ

فضیلۃ الشیخ
مفتی محمد یوسف طیبی صاحب
مدیر جامعہ الدراسات الاسلامیہ

فضیلۃ الشیخ
حافظ محمد افضل ضیاء
مدیر جامعۃ الاحسان الاسلامیہ

فضیلۃ الشیخ
السید خدائے نظر صاحب
مدیر جامعہ انصاریہ اتحاد ٹاؤن

محترم جناب
عزیز الدین صاحب
[illegible]

فضیلۃ الشیخ
مولانا محمد داؤد شاکر صاحب
[illegible]

سابقہ پروگرام
1 راولپنڈی، 2 آزاد کشمیر، 3 گوجرانوالہ 4 لاہور، 5 ساہیوال ڈویژن
نوٹ: مسلک اہل حدیث بین المدارس مقابلہ مکمل ہونے کے بعد ڈویژن لیول پر اول، دوم، سوم آنے والے مقررین کے درمیان ابوہریرہ شریعہ کالج لاہور میں جولائی 2010ء میں مقابلہ ہوگا۔ پوزیشن ہولڈر حضرات کو دوگنا انعام دیا جائے گا۔

عنوانات
☆ توحید کی اہمیت و فضیلت
☆ توحید کے اجتماعی زندگی پر اثرات

کراچی کے احباب کی طرف سے انعامات
اول-/5000 دوم-/4000 سوم-/3000

اسٹیج سیکرٹری
مولانا عبدالخالق آفریدی صاحب
کراچی

مقابلہ بروز جمعرات 21 جنوری 2010 صبح 8:30 جامعہ ابی بکر الاسلامیہ گلشن اقبال بلاک 5 میں ہوگا۔ رابطہ: 0321-4980877

رابطہ برائے رجسٹریشن
(مولانا) محمد ارشد زاہد (مدیر) جامع مسجد و مدرسہ ابوبکر صدیق
بوستان رفیع جامعہ ملیہ روڈ ملیر کراچی 43 (0300,0333-2444981)

کچھ اربابِ اختیار سے

یہ صدارت و وزارت، یہ آن بان اور یہ پر شکوہ ایوان
اے اَربابِ اختیار جو سمجھو، تو یہ ہے تم پر قوم کا احسان
قوم نے اتفاقِ رائے سے تمہیں وطن کی پاسبانی دی ہے
اصلاحِ احوال کی اُمید پر تمہیں، مسند اقتدار کی براجمانی دی ہے
یہ اقتدار عطیہ الٰہی بھی ہے اور قوم کی امانت بھی ہے
وطن سے عہد وفا داری بھی ہے اور فرض شناسی کی ضمانت بھی ہے
یہ بات بھی بالکل مسلم ہے اِسے ذہن سے نہ مٹانا تم
اقتدار ڈھلتی چھاؤں ہے اِس پر کبھی نہ اترانا تم
تاریخ شاہد ہے کہ وقت کسی سے بھی وفا کرتا نہیں کبھی
کوئی فرد بھی اس کے تھپیڑوں سے بچا کرتا نہیں کبھی
حالات کی سنگینی پر مضبوط کرسی بھی ساتھ چھوڑ دیتی ہے
جب بد نصیبی مسلط ہوتی ہے تو پھر یہ کمر توڑ دیتی ہے
بس یہی تم سے گزارش ہے کہ قوم سے کیے وعدے وفا کرو
دکھ درد بانٹو اس کا، اور صلہ احسان ادا کرو
ملک کے وفا دار بن کر، اس کو بحرانوں سے نکالو تم
منصوبے ترقی کے بناؤ، زمین وطن کو سونا بنا ڈالو تم
قومی سرمایہ امانت ہے اس کے ضیاع اور خیانت سے ڈرتے رہنا
خود غرضی سے اجتناب کرنا، کہیں اپنی تجوریاں نہ بھرتے رہنا
جذبہ خود انحصاری کو بھی اپناؤ، اغیار سے مانگنا چھوڑ دو تم
غیرت اسلامی کا یہی تقاضا ہے، کشکولِ فقر کو توڑ دو تم
یہ وطن جس کی بنیادوں میں شہدا کا خون اب بھی ٹپک رہا ہے
دشمن متواتر اس کے در پے ہیں، اُن کی نگاہوں میں یہ کھٹک رہا ہے
یہ دہشت گردی اور ہلاکتیں ان دشمنوں کے گٹھ جوڑ کا ہی نتیجہ ہے
اہل وطن کا تحفظ اَربابِ اختیار اور فوج کا اہم فریضہ ہے
جرأت اسلاف کے امیں بنو، اپنی قوتِ بازو پر بھروسہ کرو تم
دشمن کو کبھی منہ نہ لگاؤ، اہل ایماں ہو، بالکل نہ ڈرو تم
وطن کی فوج بھی جاں نثار ہے اور قوم بھی تمہارے ساتھ ہے
تم ایک مضبوط جماعت ہو جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے

[محمد اسحاق عابر، ملتان]